بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

زیرِ سرپرستی:
عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

جلد نمبر ۴۱ شمارہ ۹

ستمبر ۲۰۱۷ء

ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ

مجلس ادارت

مدیرِ اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی
نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی
منیجر: محمد محبوب عزیزی
تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی
مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی
مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی
مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ
دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور
اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY
Mubarakpur. Azamgarh
(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 25 روپے
سالانہ: 250 روپے

چیک اور ڈرافٹ
بنام
مدرسہ اشرفیہ
بنوائیں

کوڈ نمبر ——— 05462
دفتر ماہنامہ اشرفیہ ——— 250149
الجامعۃ الاشرفیہ ——— 250092
دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلہ دیش، پاکستان، سالانہ
500 روپے
دیگر بیرونی ممالک
$ 20 امریکی ڈالر £ 15 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ	عید قرباں اور عہدِ حاضر	مبارک حسین مصباحی	۳

---پیغامات---

عصرِ حاضر	ایک اہم پیغام-مسلمانوں کے نام	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۹

---فقہیات---

آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں.............	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۱۱

---نظریات---

فکر امروز	کیا آپ کامیاب ہونا چاہتے ہیں	ڈاکٹر ظہور احمد دانش	۱۳

---اسلامیات---

شعاعیں	رحمۃ للعالمین ﷺ کا عفو و درگذر	حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی	۱۵

---شخصیات---

انوار حیات	حضرت سید غوث شاہ قادری	ڈاکٹر پی داؤد محسن	۱۸
نقوشِ زندگی	صوفیِ باصفا حضرت الحاج حکیم محمد احمد قادری	نور الامین چشتی صابری	۲۳

---تعلیمات---

درسِ نظامی	جدید اسلامی درسیات کی تدوین	غلام رسول دہلوی	۲۶

---سیاسیات---

آئینۂ وطن	آر. ایس. ایس.، بی. جے. پی. کا ڈی این اے انگریزوں سے ملتا ہے	مولانا ظفر الدین برکاتی	۳۰

---بزمِ دانش---

فکر و نظر	عید الاضحیٰ، حقیقت اور پیغام	پیر محمد تبسم بشیر اویسی/مولانا محمد عابد چشتی	۳۶

---ادبیات---

نقد و نظر	تذکرۂ مخدوم علی مہائمی	تبصرہ نگار: مبارک حسین مصباحی	۴۳
خیابانِ حرم	نعتیں	شاکرؔ علی رضوی/سید محمد نور الحسن نورؔ فتح پوری	۴۹

---مکتوبات---

صدائے بازگشت	مولانا صادق رضا مصباحی/مولانا محمد علی فاروقی		۵۰

---سرگرمیاں---

رودادِ چمن	الجامعۃ الاشرفیہ میں تقسیم انعامات		۵۳
خیر و خبر	جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور کا سالانہ جلسۂ دستارِ فضیلت و عرس حضور حافظ ملت/دار العلوم قادریہ چریا کوٹ میں مولانا اعجاز مبارک پوری اور نازاں فیضی گیاوی علیہما الرحمہ کی یاد میں محفلِ فاتحہ/سنگھ پریوار کا پروپیگنڈہ بے نقاب		۵۵

عیدِ قرباں اور عہدِ حاضر

مبارک حسین مصباحی

عیدِ قربان دنیا کے مسلمانوں کا ایک مذہبی تیوہار ہے جو عالمِ اسلام میں بڑی عقیدت و محبت سے منایا جاتا ہے، یہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، انھوں نے اپنے عزیز ترین فرزند ارجمند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش فرمائی۔ یہ پروردگار کا فیضان تھا کہ اس نے اپنے محبوب بندے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو محفوظ فرمالیا، حضرت جبرئیل کو حکم دیا کہ ایک جنتی دنبہ حضرت اسماعیل کی جگہ رکھ دو۔ اپنے محبوب بندوں کی یہ ادائیں بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئیں اور اس طریقۂ قربانی کو ہم سب کے آقا و مولا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کے لیے بحکمِ الٰہی باقی رکھا اور آج پوری دنیا کے مسلمان عیدالاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔

قربانی کا مفہوم بڑا وسیع ہے، قربانی کے ایام میں قربانی سے زیادہ کوئی عمل اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، قربانی کا شرعی مفہوم تو فقط اتنا ہے کہ ”مخصوص جانوروں کو مخصوص دن میں بہ نیتِ تقرب ذبح کرنا قربانی ہے۔ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے جو اس امت کے لیے باقی رکھی گئی ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قربانی کا حکم دیا گیا۔ ارشاد فرمایا: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

قربانی اپنے اندر بڑے ہمہ گیر اور آفاقی معانی رکھتی ہے، اپنی جیب سے رقم خرچ کر کے جانور خریدنا یا خود عقیدت و محبت سے پرورش کرنا یہ بجائے خود بڑی عبادت ہے۔ مخصوص ایام میں نمازِ عید ادا کرنے کے بعد اپنی نگاہوں کے سامنے اپنے ہی محبوب جانور کو قربان کرنا یہ جذباتِ محبت کی قربانی ہے۔ اس موقع پر ذرا آپ غور فرمائیں کہ دنیا میں کتنے افراد ہیں جو غربت و افلاس میں ڈوبے ہوئے ہیں، ان کی نگاہوں کے سامنے گوشت فروخت ہوتا ہے، مگر وہ اپنی ناداری کی وجہ سے مسلسل اپنی خواہشات کی قربانی کرتے رہتے ہیں۔ قربانی کے ایام میں ان پریشان حال مسلمانوں کو بھی بھرپور گوشت مل جاتا ہے۔ اس طرح آپ ذرا سنجیدگی سے دیکھیں کہ دینی مدارس جو عوام و خواص کے تعاون سے زندہ ہیں، قربانیوں کی کھالیں بھی ان کے لیے ایک بڑا ذریعۂ آمدنی ہیں۔ اس طرح ان قربانیوں کے بے شمار فوائد ہیں۔ یہ مسلمانوں میں ہی نہیں دیگر مذاہب میں بھی قربانی کا تصور ملتا ہے اور عملی طور پر ہم ان کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں، اب رہی یہ بات کہ ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ان کا طریقۂ کار قوم کے لیے کتنا مفید اور کتنا مضر ہے؟ جن جانوروں کی قربانیاں ہوتی ہیں، فضلِ الٰہی سے ان میں مسلسل کثیر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ جن جانوروں کی قربانیاں جائز نہیں ہیں، ان کی بھیڑ آپ کو شاذ و نادر ہی نظر آسکتی ہے۔ یہ ایک مستقل نظامِ قدرت ہے، جس پر انسانوں کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔

قربانی واجب ہونے کی شرائط: (۱) اسلام: یعنی غیر مسلم پر قربانی واجب نہیں۔ (۲) اقامت: یعنی مقیم ہونا، مسافر پر قربانی واجب نہیں۔ (۳) تونگری: یعنی مالکِ نصاب ہونا، یہاں مالداری سے مراد وہی ہے جس سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے، وہ مراد نہیں جس سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ (۴) حریت: یعنی آزاد ہونا جو آزاد نہ ہو اس پر قربانی واجب نہیں۔ قربانی مردوں کی طرح عورتوں پر بھی واجب ہوتی ہے۔

(درِ مختار وغیرہ بحوالہ بہارِ شریعت، ج:۱۵، ص:۱۳۳)

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چند حدیثیں: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ! ”یوم النحر [دسویں ذی الحجہ] میں ابنِ آدم کا کوئی عمل خدا کے نزدیک خون بہانے [قربانی کرنے] سے زیادہ پیارا نہیں اور وہ جانور قیامت کے دن اپنی سینگ، بال اور کھروں کے ساتھ آئے گا، اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے قبل خدا کے نزدیک مقامِ قبول میں پہنچ جاتا ہے، لہٰذا اس کو خوش دلی سے کرو۔“

[ابوداؤد، ترمذی و ابنِ ماجہ، بہارِ شریعت، ج:۱۵، ص:۱۲۸، المجمع المصباحی، مبارکپور]

صحیح بخاری میں براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے جو کام ہم کریں گے وہ یہ ہے کہ نماز پڑھیں، اس کے بعد قربانی کریں گے، جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت کو پالیا، اور جس نے پہلے ذبح کیا وہ گوشت ہے جو پہلے سے اس نے اپنے گھر والوں کے لیے تیار کرلیا، قربانی سے اسے کچھ تعلق نہیں۔

ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور یہ پہلے ہی ذبح کر چکے تھے [اس خیال سے کہ پڑوس کے لوگ غریب تھے، انھوں نے چاہا کہ ان کو گوشت مل جائے] اور عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میرے پاس بکری کا چھ ماہ کا ایک بچہ ہے، فرمایا! تم اسے ذبح کرلو اور تمھارے سوا کسی کے لیے چھ ماہ کا بچہ کفایت نہیں کرے گا۔" (بہارِ شریعت، ج:۱۵، ص:۱۲۹، المجمع المصباحی، مبارک پور)

یہ دونوں عالم کے مالک و مختار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اختیار ہے کہ آپ نے اپنے صحابی حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھ ماہ کے بکری کے بچے کی قربانی کرنے کے لیے اجازت مرحمت فرمادی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ یہ اجازت صرف اور صرف آپ کے لیے ہے کسی دوسرے کے لیے تاقیامت اس کی اجازت نہیں۔ اب اختیاراتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منکرین کو اپنے عقیدوں کی اصلاح کرنی چاہیے۔

ہمارے آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ذات پاک، اپنی آل اور اپنی امت سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ حضرت امام مسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ: "سینگ والا مینڈھا لایا جائے جو سیاہی میں چلتا ہو اور سیاہی میں بیٹھتا ہو اور سیاہی میں نظر کرتا ہو، یعنی اس کے پاؤں سیاہ ہوں اور پیٹ سیاہ ہو اور آنکھیں سیاہ ہوں وہ قربانی کے لیے حاضر کیا گیا۔ حضور نے فرمایا! عائشہ چھری لے آو۔ پھر فرمایا! اسے پھر پتھر پر تیز کرلو، پھر حضور نے چھری لی اور مینڈھے کو ذبح کرنے کے لیے لٹایا، پھر فرمایا: بسم اللہ، اللھم تقبل من محمد و آل محمد و من امة محمد [الٰہی تو اس کو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی طرف سے اور ان کی آل اور امت کی طرف سے قبول فرما]۔ (مسلم شریف، حدیث، ۱۹۷۸، بہارِ شریعت، ج:۱۵، ص:۱۳۰)

امام احمد نے روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: افضل قربانی وہ ہے جو باعتبارِ قیمت اعلیٰ ہو اور خوب فربہ ہو۔

ابو داؤد و نسائی عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یومِ اضحیٰ کا حکم دیا گیا، اس دن کو خدا نے اس امت کے لیے عید بنایا۔" ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ یہ بتائیے اگر میرے پاس منیحہ [وہ جانور ہے جو کسی دوسرے نے دیا ہو کہ کچھ دنوں اس کے دودھ وغیرہ سے فائدہ اٹھائے پھر مالک کو واپس کردے] کے سوا کوئی جانور نہ ہو تو کیا میں اسی کی قربانی کردوں؟ فرمایا: نہیں!، ہاں تم اپنے بال اور ناخن ترشواؤ اور مونچھیں ترشواؤ اور موئے زیرِ ناف کو مونڈو، اسی میں تمھاری قربانی خدا کے نزدیک پوری ہوجائے گی، یعنی جس کو قربانی کی توفیق نہ ہو اسے ان چیزوں کے کرنے سے قربانی کا ثواب حاصل ہوجائے گا۔ (بہارِ شریعت، ج:۱۵، ص:۱۳۱)

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استطاعت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرنے والوں پر شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "من كان له سعة فلم يضح فلا يقربن مصلانا" ترجمہ: جو آسودہ حال ہونے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔ (سنن ابن ماجہ، ۱۹۹۲)

حضرت امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوامامہ سے نقل کیا کہ انھوں نے کہا: "كنا نسمن الضحية بالمدينة وكان المسلمون يسمنون" "ہم مدینہ طیبہ میں قربانی کے جانور کی پرورش کرکے فربہ کرتے تھے اور دیگر مسلمان بھی اسی طرح انھیں پال کاٹ کر موٹا کرتے تھے۔" (صحیح البخاری، الاضاحی)

صدر الشریعہ مصنفِ بہارِ شریعت کا تحریر کردہ "فائدہ":

صدر الشریعہ حضرت علامہ شاہ امجد علی اعظمی نور اللہ مرقدہ نے چند حدیثیں اپنی مشہور کتاب بہارِ شریعت میں ذکر فرمائیں، ان کے بعد ایک اہم شبہ کا ازالہ فرماتے ہوئے یہ "فائدہ" نوٹ فرمایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"احادیث سے ثابت ہے کہ سید عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس امت مرحومہ کی طرف سے قربانی کی یہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بے شمار الطاف میں سے ایک خاص کرم ہے کہ اس موقع پر بھی امت کا خیال فرمایا اور جو لوگ قربانی نہ کرسکے ان کی طرف سے خود ہی قربانی ادا فرمائی۔ یہ شبہہ کہ ایک مینڈھا ان سب کی طرف سے کیوں کر ہوسکتا ہے یا جو لوگ ابھی پیدا ہی نہ ہوئے ان کی قربانی کیوں کر ہوئی اس کا جواب یہ

ہے کہ یہ حضور اقدس ﷺ کے خصائص سے ہے۔ جس طرح حضور (ﷺ) نے چھ مہینے کے بکری کے بچہ کی قربانی ابوبردہ رضی اللہ عنہ کے لیے جائز فرما دی اوروں کے لیے اس کی ممانعت کر دی۔ اسی طرح اس میں خود حضور (ﷺ) کی خصوصیت ہے۔ کہنا یہ ہے کہ جب حضور (ﷺ) نے اُمت کی طرف سے قربانی کی تو جو مسلمان صاحب استطاعت ہو اگر حضور اقدس ﷺ کے نام کی ایک قربانی کرے تو زہے نصیب اور بہتر سینگ والا مینڈھا ہو جس کی سیاہی میں سفیدی کی بھی آمیزش ہو جیسے مینڈھے کی خود حضور اکرم (ﷺ) نے قربانی فرمائی۔"

عہدِ حاضر پر ایک نظر: اس وقت اتر پردیش میں غیر قانونی ذبیحے پر پابندی ہے، اس کے بعد جھارکھنڈ میں بھی غیر قانونی ذبیحے پر پابندی عائد کی جارہی ہے۔ یہ پابندی صحیح ہے یا غلط، یہ ایک مستقل موضوع ہے، ہم بروقت اس پر کوئی رائے دینے سے قاصر ہیں۔ یہ کوئی نیا قانون نہیں ہے، یہ قانون پہلے ہی سے ہے بس فرق یہ ہے گذشتہ حکومتوں نے اس طرف بھرپور توجہ نہیں کی، موجودہ بی جے پی حکومتیں اس تعلق سے مستعد ہیں۔ بروقت ہم گفتگو کریں گے گائے کے تعلق سے، اس کا نہ کاٹنا بھی ہمارے ملک کا قانون بنا دیا گیا ہے، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ عہدِ حاضر میں ایک انسان کی زندگی کی قدر و قیمت گائے کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ اس تعلق سے اگر آپ حال اور ماضی قریب کا سروے کریں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ گائے کی نسل بچانے کے لیے متعدّد علاقوں میں کتنے انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، مگر افسوس گائے پر آنسو بہانے والے تو بہت ہیں، لیکن ان میں انسانوں کی موت پر آنسو بہانے والا کوئی نظر نہیں آتا۔

تقریباً یہی صورتِ حال راجستھان، مدھیہ پردیش، ہریانہ، مہاراشٹر، گجرات اور بہار وغیرہ صوبوں میں بھی ہے۔

اب ہم آپ کو یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہندو مذہب میں اس کی بنیاد بہت قدیم نہیں ہے، اس سلسلے میں آج دلتوں کو بھی نشانۂ غضب بنایا جارہا ہے اور کتنے ہی مقامات پر انھیں بھی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا ہے، ان کو تو جانے دیجیے، خود بی جے پی والوں میں بھی ایک بڑا طبقہ گائے کا گوشت کھانے کا حامی ہے، گوا، کیرلا اور تمل ناڈو وغیرہ ریاستوں میں آج بھی گائے کا گوشت فراہم کیا جارہا ہے، بلکہ کیرلا کے وزیر اعلیٰ جن کا تعلق بی جے پی سے ہے، انھوں نے خود اعلان کیا ہے کہ ہم گائے کے گوشت میں کمی نہیں آنے دیں گے، بلکہ یہ بھی ایک سچائی ہے کہ آر ایس ایس والے باضابطہ رشوت لے کر گائے کا گوشت ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں منتقل کراتے ہیں۔ ان حالات میں بھی بعض بڑے بی جے پی کے سیاسی لیڈروں نے اعلان کیا ہے کہ ہم خود گائے کا گوشت کھاتے ہیں، کسی میں ہمت ہو تو ہمیں روکے۔ یہ ساری باتیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

قدیم ہندوستان کے ویدک ادب میں ایسے کئی شواہد ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں بھی گائے کے گوشت کا استعمال کیا جاتا تھا۔ جب یگیہ (ایک مذہبی تقریب) ہوتی تھی تب بھی گائے کو قربان کیا جاتا تھا۔ اس وقت یہ بھی رواج تھا کہ اگر مہمان آجائے یا کوئی خاص شخص آجائے تو اس کے استقبال میں گائے کو ذبح کیا جاتا تھا۔ شادی بیاہ کے رسم میں یا پھر گھر باس (نئے گھر میں آباد ہونے کی رسم) کے وقت بھی گائے کا گوشت کھلانے کا رواج عام ہوا کرتا تھا۔ یہ عہد گپت (تقریباً ۵۵۰ - ۳۲۰ عیسوی) سے پہلے کی بات ہے۔

پانچویں اور چھٹی صدی تک دلتوں کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی تھی۔ اس وقت برہمن مذہبی اصولوں میں یہ بھی ذکر کرنے لگے کہ جو گائے کا گوشت کھائے گا وہ دلت ہے۔ اسی دوران اسے قابل تعزیر بنایا گیا یعنی جس نے گائے کو ذبح کیا اسے کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ پھر بھی ایسی سزا نہیں تھی کہ گئوکشی کرنے والے کی جان لی جائے، جیسا کچھ آج لوگ کہہ رہے ہیں اور کر بھی رہے ہیں۔ لیکن گئوکشی کو برہمن کے قتل کے زمرے میں رکھا گیا۔ اس کے باوجود اس کے لیے کسی سخت سزا کا قانون نہیں تیار کیا گیا۔ سزا کے طور پر صرف اتنا طے کیا گیا کہ گائے ذبح کرنے والے کو برہمنوں کو کھانا کھلانا پڑے گا۔

سارا تنازع ۱۹ویں صدی میں شروع ہوا جب آریہ سماج کی تشکیل ہوئی اور سوامی دیانند سرسوتی نے 'گئورکشا' کے لیے مہم چلائی۔ اور اس کے بعد ہی یہ امتیاز سامنے آیا کہ جو 'بیف' فروخت کرتا اور کھاتا ہے وہ مسلمان ہے۔ اسی کے بعد فرقہ وارانہ کشیدگی کا بھی آغاز ہوا۔ اس سے پہلے فرقہ وارانہ فسادات نہیں ہوتے تھے۔ ویسے گوونش کی ایک پوجا ہوتی ہے جس کا نام 'گوپاشٹمی' ہے۔ اس کے علاوہ گائے کے لیے علیحدہ کوئی مندر نہیں ہوتے۔ کہیں کسی نے مندر بنائے ہوں تو یہ الگ بات ہے کیونکہ یہاں مندر تو فلمی ستاروں کے بھی بنائے گئے ہیں۔

جب آپ یہ کہتے ہیں کہ ملک کی اکثریت کے جذبات کو ذہن میں رکھتے ہوئے بیف پر پابندی لگانا چاہیے تو آپ ان ہی میں سے ایک طبقہ

کے جذبات کو ٹھیس بھی پہنچا رہے ہیں۔وہیں ایک دوسرے طبقے کے کھانے پینے پر آپ قدغن بھی لگا رہے ہیں، ملک میں دلت بیف کھاتے ہیں اور کھلے عام کھاتے ہیں، قبائلی کھاتے ہیں، گوا اور مغربی بنگال میں بھی خوب کھاتے ہیں۔ جنوبی بھارتی ریاست کیرالہ میں برہمنوں کو چھوڑ کر باقی سب کھاتے ہیں۔ تمل ناڈو میں بھی ایک بڑا طبقہ ہے جو بیف کھاتا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ یہ حکومت صرف توہمات پر چل رہی ہے۔

بھارت کے نائب وزیر داخلہ کرن ریجی پریس کانفرنس میں واضح طور پر کہہ چکے ہیں کہ ”میں گائے کا گوشت کھاتا ہوں اور مجھے کوئی گوشت کھانے سے نہیں روک سکتا، کیا مجھے کوئی روک سکتا ہے ؟“

گائے کا گوشت کھانے اور ایکسپورٹ کرنے میں اس وقت ہندوستان بہت آگے ہے، یہ کام انجام دینے والے مسلمان نہیں بلکہ ہندو قوم ہے، اس کی بہت سی مثالیں آج بھی سامنے ہیں۔

گائے مقدس ہے یا نہیں ؟ گئوکشی مکمل بند ہونی چاہئے یا نہیں ؟ ان سوالوں پر سنگھ پریوار کا رویہ ہمیشہ دوہرا رہا ہے کیونکہ گائے، اس کے لئے ووٹ دینے والی مویشی ہے۔ جہاں گئوکشی کے خلاف تحریک سے ووٹ ملے وہاں تحریک چلائی جاتی ہے اور جہاں عوام کو گائے کا گوشت کھلا کر ووٹ ملے وہاں گائے کا گوشت کھلانا چاہئے، یہی بھگوا پریوار کا نظریہ ہے۔ یہی سبب ہے کہ ایک طرف وہ بنگال اور کیرل میں مکمل طور پر گئوکشی بند کرانے کی بات کرتی ہے تو گوا میں اس کی فراہمی خود بی جے پی کی سرکار کراتی ہے اور وزیراعلیٰ اعلان کرتے ہیں کہ وہ کسی بھی حال میں بیف کی کمی نہیں ہونے دینگے۔

بی جے پی، یو. پی. اور جھارکھنڈ وغیرہ میں گئوکشی کو سختی سے روک رہی ہے یوپی میں اقتدار تک پہنچنے کے لئے سلاٹر ہاؤس بند کرانے کا وعدہ کیا اور اسے پورا بھی کیا اور نارتھ ایسٹ کی ریاستوں میں اقتدار پانے کے لئے گئوکشی کو جائز ٹھہرانے کی بات کرتی ہے۔ان دنوں بھگوا وادی بہار میں گائے کے نام پر سرگرم ہوگئے ہیں جس کا باقاعدہ آغاز بھوجپور سے ہوگیا ہے، کیونکہ آنے والے دنوں میں انھیں بہار میں اپنے بل بوتے پر الیکشن لڑنا ہے اور نتیش کمار کو سائڈ کر حکومت بنانا ہے۔ یہ تب ہی ممکن ہوسکتا ہے جب ریاست میں ابھی سے ہندو، مسلم کے نام پر بٹوارہ کیا جائے اور اس کے لئے گائے کو بیچ میں لانا ضروری ہے۔ گائے کا استعمال، بھگوا پریوار کس طرح اپنے سیاسی مقصد کے لئے کرتا ہے ؟ اس کی کچھ مثالیں ذیل میں پیش ہیں۔

راجستھان اور چھتیس گڑھ میں گایوں کی موت: ایشیا کی سب سے بڑی گوشالا الور کی پتھ میڑا گوشالا میں گایوں کی زندگی سخت خطرے میں ہے۔ یہاں صرف چار دن میں آٹھ سو گایوں کی موت ہو چکی ہے وہیں، تین ہزار گائیں پانی کے سیلاب اور بھوک سے لڑ رہی ہیں اور یہ سلسلہ مزید جاری ہے۔ان گایوں کی حفاظت کے لئے کوئی نہیں پہنچا، حالانکہ انھیں ”ماتا“ کہنے والوں کی کمی نہیں اور نہ ہی ان لوگوں کی کمی ہے جو ان کی حفاظت کے نام پر انسانوں کی جان لینے کے درپے ہیں۔ یہ واقعہ اگر کرناٹک، بنگال، اڈیشا کا ہوتا تو سیاست شروع ہو جاتی مگر چونکہ گایوں کی موت بی جے پی کی حکمرانی والی ریاست راجستھان میں ہوئی لہٰذا کوئی سیاست نہیں کی جاسکتی۔ اس گئوشالا میں ۱۰ہزار ۷۰۰ گائیں ہیں جن میں سے سینکڑوں پانی میں بہ گئیں۔ اس گئوشالا میں گایوں کی ایک دن کی خوراک ایک کروڑ روپئے ہے۔

چھتیس گڑھ کے ضلع درگ میں راج پور کی گوشالا میں دو سو گائیں مرچکی ہیں، گئو سروس کمیشن کے مطابق گایوں کا چارہ اور دیگر بندوبست بہت خراب ہے جب کہ ریاستی حکومت کی ۹۳/ کروڑ کی رقم اس گئوشالا کو مل چکی ہے، خبر ہے کہ وزیراعلیٰ ڈاکٹر رمن سنگھ نے چھتیس گڑھ کی تمام گئوشالاؤں کی سخت نگرانی کا اعلان کر دیا ہے۔

گوا کے وزیراعلیٰ کا اعلان: گوا کے وزیراعلیٰ منوہر پاریکر نے پچھلے دنوں گوا اسمبلی میں کہا تھا کہ ریاست میں بیف کی کمی نہ ہو، اس کے لئے حکومت نے کرناٹک سے اسے منگانے کا متبادل کھلا رکھا ہے۔ پاریکر نے گوا اسمبلی میں کہا کہ ہم نے (کرناٹک کے) بیلگام سے بیف منگوانے کا متبادل اختیار نہیں کیا ہے، تاکہ اس بات کو یقینی کیا جاسکے کہ یہاں بیف کی کوئی کمی نہیں ہے۔ پاریکر نے یہ جواب بی جے پی ممبر اسمبلی نلیش کبرال کے ایک سوال پر دیا۔ انہوں نے کہا، میں آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ پڑوسی ریاست سے آنے والے گوشت کی تحقیقات، مناسب طریقے سے اور مجاز ڈاکٹروں سے کرائی جائیگی۔ پاریکر نے یہ بھی کہا کہ یہاں سے تقریباً ۴۰ کلومیٹر دور پونڈا واقع ”گو امیٹ کمپلیکس“ میں ریاست کے واحد جائز

سلاٹر ہاؤس میں روزانہ تقریبا۲ہزار کلوگرام بیف تیار ہوتا ہے۔ انہوں نے مزید کہا، باقی بیف کی فراہمی کرناٹک سے ہوتی ہے۔ حکومت کی گوامیٹ کمپلیکس میں ذبح کے لئے پڑوسی ریاستوں سے جانوروں کو لائے جانے پر روک لگانے کی کوئی منشانہیں ہے۔

وزیراعلیٰ کے خلاف بیان بازی: کہیں بی جے پی بیف پر پابندی کا مطالبہ کرتی ہے تو کہیں اس کی کمی نہ ہونے دینے کی یقین دہانی کراتی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ بیف پر بی جے پی کا دوہرا رویہ ہے۔ بیف کو لے کر گوا کے وزیر اعلی منوہر پاریکر کے بیان پر وشو ہندو پریشد نے ان کا استعفی مانگا ہے۔ جب کہ ہندو مہاسبھا نے ان کے خلاف ہندوؤں کے جذبات مجروح کرنے کا الزام لگاتے ہوئے مقدمہ درج کرنے کی بات کہی ہے۔ وی ایچ پی لیڈر سریندر جین نے کہا کہ، پاریکر بی جے پی کی تصویر خراب کر رہے ہیں۔ انہیں استعفیٰ دینا چاہئے۔ سریندر جین نے کہا کہ گوا اور کرناٹک کے اندر گئوکشی غیر قانونی ہے۔ ایسے میں وہ گوا میں تو قانون توڑ ہی رہے ہیں، کرناٹک کو بھی قانون توڑنے کے لئے حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ یہ شرمناک ہے۔ بی جے پی کو اس پر کارروائی کرنی چاہئے۔ ایسا شخص وزیر اعلی بننے کے قابل نہیں ہے۔ اس کے پہلے سریندر جین نے ٹویٹ کیا، بی جے پی، "بیف انجوائے پارٹی" بن چکی ہے۔ پارٹی کی تصویر کو صاف کرنے کے لئے پاریکر کو استعفی دینا چاہئے۔ کچھ ہندو وادی جماعتوں کی طرف سے منوہر پاریکر کے خلاف بیان پر غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ یہ بیانات صرف اس لئے آئے ہیں تاکہ کوئی ان سے یہ نہ کہے کہ گوا میں بیف پر اعتراض کیوں نہیں ہے؟

اٹھاولے کا بیان: مودی سرکار کا بیف پر دوہرا رویہ ہے اور اس کی مثال ان کے ایک منتری کا حالیہ بیان ہے۔ مودی حکومت میں وزیر رام داس اٹھاولے نے گئورکشکوں کے لئے سخت سزا کا مطالبہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ تشدد پر اتارو گئورکشکوں کے لئے سخت سزا ہونی چاہئے۔ ساتھ ہی، انہوں نے کہا کہ تمام لوگوں کے پاس بیف کھانے کا حق ہے۔ مرکزی وزیر برائے سماجی انصاف نے کہا کہ سب کو گوشت کھانے کا حق ہے۔ بکری کا گوشت مہنگا ہوتا ہے، اس لئے لوگ بیف کھاتے ہیں۔ اٹھاولے نے گئورکشکوں کو خبردار کرتے ہوئے کہا، کہ اگر گئورکشک آگے بھی پر تشدد سرگرمیوں میں شامل رہتے ہیں، تو ان کی پارٹی کے کارکن سڑکوں پر اتر کر جواب دینے کے لئے مجبور ہوں گے۔

مہاراشٹر سرکار کا سرکلر: مہاراشٹر پولیس نے ایک سرکلر جاری کر کے ریاست میں پولیس افسران کو اس بات کو یقینی بنانے کو کہا ہے کہ گئورکشک قانون اپنے ہاتھ میں نہ لیں اور گوشت تاجروں اور ٹرانسپورٹرز کو تنگ نہ کریں۔ یہ سرکلر ایسے وقت آیا ہے جب ملک کے مختلف حصوں میں گوشت کا کاروبار کرنے والوں پر حملوں کی خبریں بڑھتی جا رہی ہیں۔ وہیں ممبئی پولیس نے بھی اڈوائزری جاری کر کہا ہے کہ کوئی بھی شہری بیف بندی کا غلط استعمال نہ کر پائے۔ ۲۰۱۵ میں ریاستی حکومت نے مہاراشٹر جانوروں کے تحفظ ایکٹ، ۲۰۱۵ کی دفعات میں تبدیلی کر گائے، بیل، بچھڑے کے گوشت کی فروخت اور ٹرانسپورٹ پر پابندی لگا دی تھی۔ اس کی خلاف ورزی پر پانچ سال کی جیل ہو سکتی ہے۔ محکمہ داخلہ کے ایک افسر کے مطابق، عام طور پر گوشت لے جانے کی معلومات نام نہاد گئورکشک دیتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ فوری طور پر بیف بندی قانون کے تحت کیس دائر کیا جائے۔ جب کہ ہمیں ہدایت ہے کہ پہلے بی ایم سی ایکٹ کے تحت کیس دائر کیا جائے اور فورینزک تحقیقات میں گوونش کا گوشت پائے جانے پر ہی سخت دفعہ لاگو ہو۔ ڈی جی پی کے سرکلر کے مطابق اگر کسی کے پاس بیف لے جانے کی یا گائے کو ذبح کرنے کی معلومات ہو تو وہ پہلے پولیس کو دے۔ کسی کو بھی، کسی گوشت لے جانے والے پر حملہ کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

بے نقاب گئورکشک: اب تک گئوکشی کے نام پر ہنگامہ کرنے اور مبینہ بیف لے جانے والوں کے ساتھ مار پیٹ کرنے کے جتنے معاملات سامنے آئے ہیں ان میں بجرنگ دل کا نام اچھلتا رہا ہے۔ اس تنظیم کے لوگ خود کو گئورکشک کہتے ہیں اور جھارکھنڈ سے مہاراشٹر تک گئورکشا کے نام پر قانون ہاتھ میں لیتے ہیں مگر حال ہی میں سامنے آئے، ایک اسٹنگ آپریشن نے اس کے "گئو پریم" کو بے نقاب کر کے رکھ دیا ہے۔ اس اسٹنگ آپریشن میں تھوڑے سے پیسے کے لئے بجرنگ دل والے بیف کی سپاری لیتے نظر آئے۔ انڈیا ٹوڈے ٹی وی کے رپورٹرس، بیف کاروباری کے طور پر ملے اور بجرنگ دل کے کارکنوں سے کہا کہ وہ گجرات سے بیف لانا چاہتے ہیں، کیا وہ ان کی مدد کر سکتے ہیں؟ اس پر یہ خود ساختہ گئورکشک تیار ہو گئے اور بدلے میں ایک ٹرک پر بیس ہزار روپئے کا معاوضہ مانگا۔ حالانکہ بعد میں وہ ۱۵ہزار روپئے میں تیار ہو گئے۔ ایک دوسرے اسٹنگ آپریشن میں شیوسینا والے بھی گجرات سے بیف لانے کا طریقہ بتاتے دکھائی پڑے۔ انڈیا ٹوڈے ٹی وی کے رپورٹرس نے پہلا اسٹنگ آپریشن واڈا۔ بھیونڈی ہائی وے پر کیا۔ یہ روڈ کاروباری لحاظ سے بے حد اہمیت کا حامل ہے کیونکہ گجرات سے آنے والے تمام سازوسامان اسی سڑک سے آتے ہیں۔ اسی روڈ سے گجرات سے ممبئی آنے والا بیف بھی آتا ہے اور

ذبیحے کے لئے جانور بھی آتے ہیں۔اس روڈ پر بجرنگ دل کے لوگ گھومتے رہتے ہیں اوران کی گشتی ٹکریوں کو ’’گشتی پاٹھک‘‘ کہتے ہیں۔یہ گشتی پاٹھک ان ٹرکوں کو روکنے کا کام کرتے ہیں جو گجرات کی طرف سے گوشت یا مویشی لاتے ہیں۔اسی روڈ پر ’’گشتی پاٹھک‘‘ سے ٹی وی رپورٹرس ملے اور خود کو بیف کاروباری ظاہر کیا۔انھوں نے بتایا کہ وہ گجرات سے بیف لاتے ہیں جو ممبئی میں فروخت کیا جاتا ہے۔وہ چاہتے ہیں کہ ان کی ٹرکوں کو حفاظت سے ممبئی آنے دیا جائے۔ان ٹرکوں کو کوئی نہ روکے،یہاں تک کہ پولس بھی۔یہ سننے کے بعد واسودیو پاٹل نامی ایک بجرنگ دل کارکن نے دوسرے بجرنگ دل ممبر سے ملوایا۔اس نے یقین دہانی کرائی کہ وہ ٹرکوں کو حفاظت سے پاس کرادے گا۔نہ کوئی بجرنگ دل کارکن پریشان کرے گا اور نہ ہی پولس پریشان کرے گی۔وہ خود،ٹرک میں موجود رہے گا۔بجرنگ دل کارکن نے بیف سے بھرے ٹرک پاس کرانے کے لئے بیس ہزار روپے مانگے اور پندرہ ہزار روپئے میں ڈیل پکی ہوگئی۔اس پورے معاملے کو خفیہ کیمرے سے رکارڈ کیا گیا۔

دوسرا اسٹنگ آپریشن نوی ممبئی کا ہے جس میں ڈی این مشرا نامی ایک شخص جو کہ ماضی میں مہاراشٹرین پارٹی کا شاکھا پرمکھ تھا اور اب شیوسینا میں ہے،سے صحافیوں کی ٹیم خفیہ کیمرے کے ساتھ ملی۔اس نے اپنے منیجر راجیش سے ملوایا۔انھوں نے بتایا کہ وہ زونل ڈی سی پی سے سیٹنگ کروادیں گے اور پھر آپ گجرات سے گائے کا گوشت،بھینس کے گوشت میں چھپا کر لاسکیں گے۔انھوں نے خفیہ کیمرے کے سامنے یہ بھی کہا کہ وہ ڈاکٹر سے بھی سٹنگ کرادینگے جو گائے کے گوشت کو بھینس کا گوشت ثابت کردے گا۔

آخری چند اہم باتیں: اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ گئوکشی سے لازمی طور پر بچنا اب ہمارے ملک کا قانون بن چکا ہے،اسے ہندوستان کے تمام باشندوں کو تسلیم کرنا چاہیے،اب اس میں ضد اور ہٹ دھرمی کا کوئی مطلب نہیں ہے۔مسلمانوں کو بھی بحیثیت ہندوستانی اس قانون کو ماننا چاہیے۔اب چوں کہ عیدِ قرباں بالکل قریب ہے،تمام مسلمانوں کو گائے کی قربانی سے حسبِ سابق سخت پرہیز کرنا چاہیے،دیگر جانوروں میں سے جس کو چاہیں قربان کریں،اس سلسلے میں چند تجاویز پیش ہیں۔

جن صوبوں میں سلاٹر ہاؤس بند کرادیے گئے ہیں ہم وہاں کے وزراے اعلیٰ سے ادب سے گذارش کرتے ہیں کہ کم از کم بڑے جانوروں کی قربانیوں کے لیے انھیں کھلوانے کی اجازت دے دیں تاکہ عیدِ قرباں کا تیوہار انھیں خوشیوں کے ساتھ منالیا جائے جیسے مناتے آرہے ہیں۔ہمیں یہ تسلیم ہے کہ ملکی قانون کی پرمیشن نہ ہونے کی وجہ سے انھیں بند کرایا گیا ہے،یہ درست ہوا کہ گوشت وغیرہ صاف وشفاف ہو تو بہت بہتر ہے۔اسی کے ساتھ مسلمانوں سے بھی گذارش کرتے ہیں کہ وہ مذبح خانوں کو بالکل صاف رکھنے کا اہتمام کریں۔اسلام ایک مقدس اور ہمہ گیر مذہب ہے،اس نے طہارت اور پاکیزگی کا حکم دیا ہے،طہارت کے قانون پر مسلمانوں کا عمل کرنا بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

جن صوبوں میں سلاٹر ہاؤس بند کرادیے گئے ہیں،ان کے اضلاع کے ڈی ایم،ایس.ڈی.ایم،میئر،قصبات کے چیئر مین اور دیہات کے پردھانوں کو چاہیے کہ عیدِ قرباں سے متعلق میٹنگیں بلائیں اور سارے نظام پر گہری نگاہ رکھنے اور امن کی بحالی کے لیے منصوبے بنائیں۔

پولیس اور گورنمنٹ انتظامیہ کو چاہیے کہ وہ شرپسند افراد پر کڑی نگاہ رکھیں کہ وہ حالات کو خراب نہ کریں،بدامنی پھیلانے والے ایسے پمفلٹ اور پوسٹر وغیرہ نہ لگائیں جو مسلمانوں کے لیے تکلیف کا باعث ہوں۔اسی طرح انتظامیہ کو چاہیے کہ نمازِ عید ادا کرنے کے لیے جانے اور واپس آنے والوں کی مکمل حفاظت کرے،یہ تو تمام لوگ جانتے ہیں کہ مسلمان عید کے تیوہار میں خوشیوں میں سرشار رہتے ہیں،وہ ایسے مواقع پر دنگے اور فساد کے موڈ میں نہیں ہوتے،بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ سنجیدہ مسلمان کسی وقت بھی فساد اور دہشت گردی کو پسند نہیں کرتے۔

اب خاص بات عرض کرنا یہ ہے کہ مسلمان جو گائے کے علاوہ بڑی تعداد میں بڑے جانور لاتے ہیں ان کا مقصد عام طور پر فتنہ وفساد نہیں بلکہ تجارت ہوتا ہے،انھیں چھیڑنے کے کثیر واقعات سامنے آرہے ہیں،انتظامیہ کو چاہیے کہ وہ ان کی سخت حفاظت کریں۔

یہ چند باتیں ہم نے بڑے اخلاصِ نیت کے ساتھ سپردِ قلم کی ہیں،ہم اس موقع پر پوری دنیا کے مسلمانوں کو عیدِ قرباں کی مبارک باد پیش کرتے ہیں،اللہ تعالیٰ ہندوستان اور عالمِ اسلام کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔آمین۔*****

اس وقت بیک وقت تین طلاق کا سپریم کورٹ سے جو فیصلہ آیا ہے اس پر صرف سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ کی ایک مختصر تحریر شامل کی گئی ہے،رسالہ پریس جا رہا تھا،اس لیے اس موضوع پر تفصیلی مضامین آئندہ ملاحظہ فرمائیں۔

ایک اہم پیغام عام مسلمانوں کے نام

قانون بنانے کا اختیار جسے بھی ہو مگر اسلامی شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کا اختیار آپ کو حاصل ہے، پھر مایوسی کیوں؟

مفتی محمد نظام الدین رضوی

پیارے اسلامی بھائیو! آپ حالات سے مایوس نہ ہوں، اپنا حوصلہ بلند رکھیے، آپ زندہ قوم ہیں، زندہ دلی کا ثبوت دیجیے۔

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مُردہ دل، خاک جیا کرتے ہیں

خدائے پاک کا فرمان ہے: ﴿بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے، بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے﴾۔ آج آپ تین طلاق کے مسئلہ کو لے کر ضرور دکھی ہوں گے، مگر اس دُکھ کا علاج آپ کے پاس ہے، قانون کیا بنے گا اور فیصلہ کیا ہوا، آپ اس کی فکر نہ کریں، آپ تو اسلامی شریعت پر عمل کی فکر کریں۔ اپنی زندگی کو نبوی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے کو سوچیں۔

(۱) آج ہی آپ اپنے رب کی بارگاہ میں توبہ کریں اور سچے دل سے یہ عہد کر لیں کہ ہم اپنی بیوی کے ساتھ خوش گوار زندگی گزاریں گے اور اس کے ناروا برتاؤ پر بھی صبر کریں گے مگر طلاق نہیں دیں گے کہ اس سے اللہ عزّ و جلّ ناراض ہوتا ہے۔

(۲) یہ بھی عہد کریں کہ کبھی تعلقات زیادہ خراب ہو جائیں اور آپس میں نباہ کی گنجائش نہ رہ جائے یعنی طلاق دیے بغیر کام نہ چلے تو بس ایک طلاق بائن دے کر رفیقۂ حیات کو اپنی پابندیوں سے آزاد کر دیں گے ساتھ ہی اس کے تمام واجبات بھی ضرور ادا کریں گے۔

(۳) ایک ساتھ تین طلاقیں دینا ناجائز ہے، اس سے رسول اللہ ﷺ ناراض ہوتے ہیں اس لیے عہد کریں کہ ہم کبھی اپنے رسول کو ناراض نہ کریں گے، اور ہرگز ایک ساتھ تین طلاقیں نہ دیں گے۔ یاد رکھیں رسول کی ناراضگی خدا کی ناراضگی ہے اور جس سے خدا اور رسول ناراض ہو جائیں اُس کا مددگار کوئی نہیں ہوتا۔

(۴) اور خدا نہ کرے، ہزار بار خدا نہ کرے اگر کبھی بھول چوک سے تینوں طلاقیں دے بیٹھے تو عورت کو قرآن و حدیث کے فرمان کے مطابق حرام مانیں گے، اور جب تک وہ اللہ و رسول کی تعلیم کے مطابق حلال نہ ہو جائے اس کے ساتھ نکاح نہ کریں گے۔

یقین جانیں، تین طلاق کے بعد عورت فوراً نکاح سے نکل جاتی ہے اور وہ اجنبی عورت کی طرح قطعاً حرام ہو جاتی ہے اس کے ساتھ مباشرت کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا۔ یہی قرآن مقدس کا فرمان ہے، یہی ہم سب کے پیارے رسول سیّدنا محمد ﷺ کا فیصلہ ہے، یہی اصحابِ رسول اللہ کا مذہب ہے اور یہی چاروں مشہور اماموں امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب ہے، چودہ سو سال سے زیادہ ہو گئے مسلمان اسی کے مطابق چلتے رہے اس لیے عہد کیجیے کہ ہم آج بھی اسی اسلامی راستے پر چلیں گے اور اعلان کرتے رہیں گے۔

ہے قولِ محمد، قولِ خدا فرمان نہ بدلا جائے گا
بدلے گا زمانہ لاکھ مگر قرآن نہ بدلا جائے گا

مومن کی شان یہ ہے کہ رسول اللہ کے فیصلے کو دل سے تسلیم کرے، دل میں اس کے بارے میں کچھ بھی کجی و تنگی نہ رکھے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمادیا ہے:

﴿اے محبوب رسول، تیری رب کی قسم، لوگ مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے اختلافی امور میں آپ کو حَکم اور فیصل نہ مانیں، پھر اپنے دِلوں میں آپ کے متعلق کچھ تنگی نہ پائیں اور اسے اچھی طرح تسلیم کر لیں﴾ (قرآن حکیم)

ایک صحابیہ فاطمہ بنت قیس کو ان کے شوہر نے ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں تو رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ تینوں طلاقیں نافذ ہیں۔ (سنن ابن ماجہ)

صحابیِ رسول حضرت عُوَیمر عجلانی نے خود رسول اللہ کی بارگاہ میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو رسول اللہ ﷺ نے تینوں طلاقیں واقع ہو جانے کا فیصلہ صادر کیا۔ (صحیح بخاری شریف، جلد دوم)

اس لیے آپ اپنے رسول ﷺ کے اس فیصلے کو دل سے تسلیم کریں، یہی شانِ مومنانہ ہے۔

میرے اسلامی بھائیو! آپ یاد رکھیں، اگر آپ اس فیصلے پر جمے رہ گئے، سرکار کے فرمان پر آپ نے سرِ تسلیم خم رکھا، اور شریعتِ اسلامی کے مطابق زندگی گزارتے رہے تو پھر یقیناً آپ ہی کامیاب ہیں۔

(۵) ہم اپنی اسلامی بہنوں سے بھی مؤدّبانہ گزارش کرتے ہیں کہ آپ اپنی زندگی کو اسلامی زندگی بنائیں، شوہروں کا حق آپ پر بہت زیادہ ہے، آپ ان کی سخت کلامی پر صبر کریں، چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر نہ الجھیں، طلاق کا مطالبہ نہ کریں اور صبر و شکر کے ساتھ خوش گوار زندگی گزارنے کی کوشش کریں، یاد رکھیں، مکمل آرام تو جنت میں ہی نصیب ہوگا، اس لیے شوہروں کو خوش رکھ کر جنت میں جانے کا کام کریں، دنیا میں کچھ نہ کچھ تکلیف آتی ہی رہتی ہے، اگر آپ اپنے شوہر کے ساتھ رنج و راحت ہر حال میں بہتر زندگی گزارنے کا عہد کر لیں تو ان شاء اللہ ہمارا معاشرہ طلاق سے اور مسلم پرسنل لا مداخلتِ بیجا سے محفوظ ہو جائے گا۔

مایوسی سے بچیے، نماز کی پابندی کیجیے، اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لیجیے اور یقین رکھیے کہ اسلامی تعلیمات سے دوری ہماری ناکامی ہے۔ اور اسلامی تعلیمات پر عمل ہماری کامیابی، دنیا کی بھی کامیابی اور آخرت کی بھی کامیابی۔

طریقِ مصطفیٰ کو چھوڑنا ہے وجہِ بربادی
اسی سے قوم دنیا میں ہوئی بے اقتدار اپنی
ہمیں کرنی ہے شاہنشاہِ بطحا کی رضاجوئی
وہ اپنے ہو گئے تو رحمتِ پروردگار اپنی

۲۵/ ذوالقعدہ ۱۴۳۷ھ — **محمد نظام الدین رضوی**
۲۹/ اگست ۲۰۱۶ء — صدر المدرسین و صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ
دوشنبہ — مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، (یوپی) ہند

کفر لزومی اور کفر التزامی - فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں

اس تحریر سے حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمٰن رضوی نے براءت ظاہر فرمائی

دراصل محترم خلیق الزماں شمسی رضوی shaikhshamsi@gmail.com نے اس اس تحریر کو ماہ نامہ اشرفیہ کے آفس میں بذریعہ ای میل روانہ فرمایا، مضمون کے آخر میں ”منقول از اہلِ قبلہ کی تکفیر“ تحریر فرمایا۔ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ یہ حضرت مفتی صاحب کی ایک علمی اور تحقیقی کتاب ہے، نیز مضمون پر بھی حضرت مفتی صاحب کا اسم گرامی تھا، ہم نے مضمون کی اہمیت محسوس کی اور اس کی پہلی قسط ماہ نامہ اشرفیہ اگست ۲۰۱۷ء میں شائع کر دی۔ مناظرِ اہلِ سنت حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمٰن رضوی دامت برکاتہم العالیہ نے حسب ذیل مکتوبِ گرامی ارسال فرمایا، اس لیے ہم نے دوسری قسط کی اشاعت روک دی۔ حضرت کا مکتوب ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

از: مبارک حسین مصباحی

اظہارِ براءت

مکرمی مدیر اعلیٰ .... السلام علیکم

ماہ نامہ اشرفیہ اگست ۲۰۱۷ء کے شمارے میں ”کفر لزومی والتزامی“ کے عنوان سے ایک مضمون میری طرف منسوب کر کے چھاپا گیا ہے، جب کہ وہ مضمون میرا لکھا ہوا ہے نہ لکھوایا ہوا، ہاں بعض نجی علمی مجلسوں میں اس کے کچھ مندرجات پر اظہارِ خیال ضرور کیا ہے بلکہ کئی سال پہلے علما کے ایک جلسہ میں بھی اس طرح کی کچھ باتیں میں نے کہی تھیں، ہو سکتا ہے اسی تقریر کو توڑ مروڑ کر حک و اضافے کے ساتھ مضمون کی شکل دے کر شائع کرا دیا گیا ہو، جس میں اندازِ خطاب یا اندازِ تحریر ہرگز میرا نہیں ہے۔ میں اپنی تقریر و تحریر بلکہ نجی گفتگو میں بھی امام احمد رضا کے لیے ”فاضلِ بریلوی“ کا لفظ استعمال کرنا نامناسب سمجھتا ہوں، جب کہ اس مضمون میں جابجا اسی لفظ کا استعمال کیا گیا ہے، اسی طرح فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے علامہ اقبال کے متعلق جو بات لکھی گئی ہے، چاہے وہ فی نفسہ صحیح ہو، مگر فتاویٰ رضویہ تو کیا یقین ہے کہ امام احمد رضا کی کسی کتاب میں نہیں ہوگی۔ علاوہ ازیں فتاویٰ رضویہ مترجم سے نقل کردہ بعض عربی عبارتوں کے ترجمہ میں بھی ابہام ہے، اس لیے میں اس مضمون کے تعلق سے اپنی طرف نسبت کی براءت کا اعلان کرتا ہوں۔

فقیر- **محمد مطیع الرحمٰن رضوی غفرلہ**

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

کیا کوئی شخص پہلی بار اپنے دادا یا دادی کا حج بدل کر سکتا ہے؟

(۱) ایک شخص حج کرنا چاہتا ہے اور اس کا یہ پہلا حج ہے، ان کا یہ سوال ہے کہ ان کے دادا دادی نے حج نہیں کیا تھا تو کیا وہ ان کا حج بدل ادا کر سکتے ہیں؟

(۲) مزید یہ بھی ارشاد فرما دیں کہ حج کو جانے والے صاحب ایصالِ ثواب کے لیے مزید کیا کیا عبادات کر سکتے ہیں؟

الجواب

(۱) پہلے اپنا حج کرے، اس کے بعد اپنے دادا دادی کی طرف سے الگ الگ دو سال میں حج بدل کرے، جس نے اپنا حج نہ کیا اسے دوسرے کی طرف سے حج بدل مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) روزانہ زیادہ سے زیادہ کعبہ شریف کا طواف کرے، قرآن شریف کی تلاوت کرے اور وہاں کے فقیروں کو صدقہ دے اور درود شریف خوب پڑھے اور ان نیکیوں کا ثواب انھیں بخش دے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ موبائل پر عورت کی ننگی تصویر نہیں دیکھے گا

حضور اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں آئندہ کسی عورت کی، موبائل پر ننگی فوٹو نہیں دیکھوں گا، پھر چند دن بعد موبائل پر مونٹ روبوٹ (جس کے اعضا و شرم گاہ عورت کے مثل ہوتی ہے) کی شرم گاہ کو دیکھا تو کیا اس کی قسم ٹوٹ گئی یا نہیں؟

الجواب

عورت کا ننگا روبوٹ دیکھنے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی، قسم کا مقصود عورت کے پوشیدہ اعضا کا مثل دیکھنا ہے، فوٹو میں عین شے نہیں دِکھتی بلکہ مثل شے دِکھتی ہے، روبوٹ کے اعضاء بھی اعضائے عورت کے مثل ہیں تو ان کو دیکھنے سے نفس امارہ کی تسکین یہاں بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا قسم میں حانث ہونا چاہیے۔ ھذا ما عندی. واللہ تعالیٰ اعلم.

لوہے کا کنگن جس پر لاہ کا لیپ ہو، کی خرید و فروخت

حضور آپ کے پاس واٹس ایپ کے ذریعہ لوہے کا کنگن بھیج رہا ہوں جس کے اوپر لاہ کا لیپ لگا ہوا ہے، اسے بنانا، بیچنا، خریدنا اور پہننا، پہنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ کنگن بنانا، بیچنا، خریدنا جائز ہے اور مسلمان عورت کا اسے پہننا یا پہنانا ناجائز۔ کنگن عورت کے ہاتھ کا ایک زیور ہے اور سونے چاندی کے علاوہ کسی بھی دھات کا زیور ہاتھ، پاؤں، ناک، کان وغیرہ اعضا میں پہننا حرام ہے۔ کنگن کا جو فوٹو آپ نے بھیجا ہے اس کے متعلق یہ وضاحت کی ہے کہ وہ لوہے کا ہے جس پر لاہ کا لیپ لگایا گیا ہے، یہ بھی پہننا پہنانا ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا حج فرض کے لیے توریہ کر سکتے ہیں؟

حضرت مفتی صاحب کی بارگاہ میں سوال ہے کہ ہمارے ملک پاکستان میں اٹھارہ سال سے چالیس کے درمیان جو بھی مرد ہوگا وہ بغیر کسی اپنی محرم کے ساتھ عمرے یا حج پر نہیں جا سکتا، تو اگر کوئی شخص کسی غیر محرم کو اپنی والدہ یا خالہ یا کوئی بھی ذی احترام رشتہ دار کاغذات میں لکھوا کر اس کے ساتھ جاتا ہے تو اس کا یہ لکھوانا درست ہے یا نہیں، سعودی گورنمنٹ کی طرف سے پاکستان والوں کے لیے یہی قانون ہے کہ چالیس سال سے کم عمر جو بھی ہوگا اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی محرم خاتون کا ہونا ضروری ہے۔ تو اس بارے میں فرمائیں کہ کیا اس بارے میں توریہ کر سکتے ہیں؟

الجواب

حج و عمرہ کے تعلق سے آپ کا سوال سنا، اس سلسلے میں عرض ہے کہ توریہ بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے، اس لیے جب تک کوئی ضرورتِ

شرعی یاحاجتِ شرعی نہ پائی جائے اس کی اجازت نہ ہوگی، لہٰذا حج فرض ہو اور کسی محرم عورت یا بیوی کے ساتھ جانے کی استطاعت نہ ہو تو توریہ نہ ہوگی، لہٰذا حج فرض ہو اور کسی محرم عورت یا بیوی کے ساتھ جانے کی استطاعت نہ ہو تو توریہ کی اجازت ہو سکتی ہے کہ حج فرضِ عین ہے، جس کا ترک گناہِ کبیرہ ہے اور توریہ کی قباحت گناہِ کبیرہ کی قباحت سے ہلکی ہے، لہٰذا یہاں توریہ کی اجازت ہوگی، فقہ کا ضابطۂ کلیہ ہے:

من ابتلى ببليتين اختار أهونهما .

یہ ضابطہ الاشباہ والنظائر للمحقق ابن نجیم المصری رحمہ اللہ تعالیٰ اور دوسری کتب میں موجود ہے، مگر غیر محرم اجنبی عورت کے ساتھ سفر جائز نہیں ہے تو پھر توریہ کیسے ہوگا؟ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اپنے کسی ہمراہی کے ساتھ اس کی ماں، بیوی، یا بہن خالہ یا اس طرح کی دو عورتیں ہوں، جن کے ساتھ سفر جائز ہو تو یہ ان کی اجازت سے ان میں سے کسی ایک کو اپنی بہن یا خالہ وغیرہا اس تاویل کے ساتھ ظاہر کر سکتا ہے، بتا سکتا ہے کہ یہ اس کی اسلامی بہن یا اسلامی خالہ ہے، یہ اجازت حجِ فرض کے لیے ہے، حجِ نفل و عمرہ کے لیے نہیں کہ یہ بلا وجہ شرعی ایک طرح سے جھوٹ کا ارتکاب ہے، جو کہ ناجائز و گناہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حج نفل یا عمرہ نہ کرے تو اس کے باعث گنہ گار نہ ہوگا، صرف سعادت سے محرومی ہوگی، لیکن توریہ ایک طرح کا جھوٹ و گناہ ہے اور اس میں بلاشبہہ قباحت ہے، تو حصول سعادت کے لیے ارتکاب قباحت کی اجازت نہ ہوگی، ردالمحتار میں احیاء العلوم کے حوالے سے یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ: و ينبغي أن يقابل مفسدة الكذب بالمفسدة المترتبة على الصدق فان كانت مفسدت الصدق أشد فله الكذب و ان بالعكس أو شك حرم.

میں سمجھتا ہوں کہ اتنی بات آپ کی تشفی اور سوال کے کامل جواب کے لیے کافی ہے، آپ میری بات پھر ایک بار غور سے سن لیں، ان شاء اللہ تعالیٰ اطمینان ہونا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ماں باپ کی فرماں برداری سے متعلق چند سوالات

(۱)-اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور ماں باپ کی فرماں برداری کرو اور اُف بھی نہ کرو، یہ اف کا مطلب کیا ہے؟

(۲)-فرماں برداری کیا ہے؟

(۳)-کیا فرمان برداری اور رضامندی ایک ہی ہے؟

(۴)-کیا کسی ماں باپ کی مخالفت کرنے والے کو مخالف کی باتوں میں ساتھ دینے والے کا یا ماں باپ کو قبول کرنے کو کہنا، ماں باپ کے منہ پر طمانچہ مارنا کیسا ہے؟

(۵)-کیا ماں باپ کا نافرمانوں کے ساتھ ہو جانا، نافرمانی کو شہ دینا نہیں ہے؟

(۶) ماں باپ کی نافرمانی کس حد تک؟

(۷) کیا ماں باپ کا نافرمان جنت میں جائے گا؟

(۸)-شوہر کی نافرمانی کس حد تک؟

(۹)-ماں باپ کی نافرمانی کرنے میں نافرمان کا ساتھ دینے والا اللہ اور رسول ﷺ یا قرآن کی نظر میں کیسا ہے؟

الجواب

(۱)-"اف" کا معنیٰ ہے "اوہ" مراد ہے معمولی سی بات جس سے ماں باپ کے دل کو تکلیف پہنچے، وہ بھی ان سے نہ کہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲)-"فرماں برداری" کا مطلب "حکم ماننا" واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) "رضامندی" خوشی کو کہتے ہیں جس کا ایک سبب فرمان برداری بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴-تا-۷)-آپ کی باتیں بڑی اونچی ہیں، جو واقعہ ہو وہ بیان کر کے حکم معلوم کر لینا چاہیے۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ "خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں، لہٰذا اماں باپ اگر ایسا کوئی حکم دیں جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو، ان کی بات نہ سنی جائے، بلکہ نرمی کے ساتھ انھیں سمجھا بجھا کر اس سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے، یہ مخالفت نہیں ہے اور اگر وہ ایسا کوئی حکم دیں جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو تو اسے بجالائیں، اگر اولاد میں کوئی لاعلمی کی بنا پر اس کے خلاف کرے تو اس کی نرمی کے ساتھ اصلاح کی جائے، جو شخص واقعی شریعت کی نگاہ میں ماں باپ کا نافرمان ہو وہ جہنم کا سزاوار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۸)-جہاں شوہر کی بات ماننے میں اللہ عزوجل و رسول ﷺ کی نافرمانی ہو، وہاں اس کی بات نہ مانی جائے اور جہاں خدا اور رسول کی نافرمانی نہ ہو، وہاں اس کی بات مانیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۹) اس میں وہی تفصیل ہے جو اوپر گذری، مزید معلومات کے لیے میری کتاب "عظمتِ والدین" کا بغور مطالعہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فکر امروز

کیا آپ کامیاب ہونا چاہتے ہیں؟

ڈاکٹر ظہور احمد دانش

ہم سب ایک ہی دوڑ میں دوڑتے چلے جارہے ہیں ۔ کانوں میں ایک ہی آواز گونجتی ہے ,بس میں کامیاب ہوجاؤں ۔ مجھے کامیاب ہونا ہے بس دعا کرو میں کامیاب ہوجاؤں ۔ یار بتاؤ کیا کروں کہ کامیابی مل جائے ۔

کافی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ مختلف جگہوں پر لیکچر بھی تو دیتے ہی ہیں نا تو کیا ہی اچھا ہو کہ اپنے پیاروں کے لیے ان زریں اصولوں کو قلم بند کرلیا جائے ۔ آپ طالب علم ہیں یا استاد، آپ تاجر ہیں یا نوکری پیشہ آپ سب کے لیے ایسے نکات پیش کرتا ہوں جو آپ سب کے لیے یکساں مفید ہوں گے ۔

آپ کیسے لگ رہے ہیں ؟

آپ نے عموماً دیکھا ہوگا کہ لوگ ابھی ہم سے ملتے بھی نہیں ۔ نہ کبھی کوئی بات کی ہوتی ہے لیکن وہ ہمارے متعلق اپنی رائے قائم کر چکے ہوتے ہیں ۔ کبھی سوچا؟ نہیں ؟ تو آج سوچ لیجئے ۔ جی جناب ایسا ہی ہے ۔ ہوتا یہ ہے کہ ہم نے گھر ہو یا باہر کبھی اپنی ظاہری شخصیت کو سنوارنے کی زحمت ہی نہیں کی ۔ بال بکھرے ہوئے ہوتے ہیں ۔ بوٹ پالش نہیں ہوتے ۔ بٹن کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور دفتر کی جانب کمر بستہ ہوجاتے ہیں ۔ اب جس گلی محلہ سے گزر ہوا۔ جس دوکاندار سے کوئی چیز لی ۔ دفتر میں جہاں کام کیا ۔ وہ سب لوگ ہمارے اس لاابالی پن سے ہماری شخصیت کا خاکہ بنا لیتے ہیں اور پھر وہ ہمیں اسی انداز میں ہم سے رابطہ بھی رکھتے ہیں ۔ ہمیشہ اچھا لباس ہو اور سیکھیے کہ کس موقع پر کیا پہنا جائے جس سے لوگ آپ کو پسند کریں اور دلچسپی لیں ۔ آپ اپنے سامنے والوں کو متاثر کرسکتے ہیں اور اپنے آس پاس کے لوگوں کو بھی اپنی طرف متوجہ کرسکتے ہیں ۔ آپ اچھے کپڑوں میں ہوں گے اور مناسب طریقے سے تیار ہوں تو آپ کو بھی اچھا لگے گا اور آپ پر اعتماد ہوں گے اور آپ کے کاموں میں مدد ملے گی ۔

حرکات وسکنات !!

ہماری حرکات و سکنات ہماری شخصیت کی ترجمان ہوتی ہے ۔ اس سے دوسروں کو ہمارے متعلق ہماری ذات کا پتا چلتا ہے ۔ ہمارے چہرے کے تاثرات ، باڈی اور ہاتھوں کے اشاروں جن سے ہم اپنی فیلنگ کو دیکھ پاتے ہیں ۔ اگر آپ مسکرا رہے ہیں تو دوسرا شخص سمجھے گا کہ آپ دوستانہ شخص ہیں ۔ آپ غصّے میں تو سامنے والا بیزارگی کا تاثر لیتا ہے ۔ آپ عجلت میں ہاتھ ملاتے ہیں ۔ مخاطب اس لمحہ بھر کی غفلت کا نہایت ہی غلط معنی و مفہوم لے کر ہمیشہ کے لیے آپ کے متعلق نالاں رہتا ہے ۔ یوں اپنی حرکت کی وجہ سے آپ ایک اچھے انسان کی رفاقت سے محروم ہوگئے جو آپ کے لیے معاون ثابت ہوسکتا تھا۔ ایسے میں اپنی حرکات و سکنات پر غور کرتے رہیں ۔ آپ کی کامیابی کے سفر میں آپ کا رویہ کارگر ثابت ہوتا ہے ۔

اپنے اندر سننے کا ظرف پیدا کریں !!

ہمارا معمول بن چکا ہے کہ اپنی بات کہنے میں لمحہ بھر بھی نہیں ٹھہرتے اور دوسرے کی بات کاٹ کر اپنا مؤقف پیش کرتے چلے جاتے ہیں ۔ اس کا پہلا نقصان یہ ہوا کہ سامنے والا نہ جانے کتنی اہم بات بتانے والا تھا اور آپ اس قیمتی اور اہم بات سے محروم ہوگئے ۔ دوسری بات یہ کہ اس کی ادھوری بات کا مفہوم کچھ تھا اگر مکمل سنتے تو بات سمجھ جاتے چنانچہ لمحہ بھر کی عجلت اور نہ سننے کی عادت کا نقصان یہ ہوا کہ ہم اس کے متعلق گمان کر بیٹھے یا پھر اس ادھوری بات پر اس سے الجھ گئے ۔ کوشش کریں سامنے والے کی پوری تسلی سے پوری بات سنیں ۔ اگر کچھ سمجھ میں کمی رہ گئی ہے تو نفیس سا سوال کرکے اپنی الجھن کو دور کرلیجیے ۔ کمیونی کیشن (ابلاغ و ترسیل) کا یہ بہت عمدہ راز ہے ، آزما کر دیکھ لیں ۔ آپ نے دیکھا ہوگا جب آپ کسی کی بات توجہ سے سنتے ہیں وہ آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے ۔ ایک بہترین ابلاغ کے تمام تر فوائد سے آپ استفادہ کرسکتے ہیں ۔

مثبت رویہ (Positive Attitude):

معاشرے میں رہنے والوں کی ایک بڑی تعداد گھٹ گھٹ کر جی رہی ہے۔ایک دوسرے سے خوف زدہ اور بدگمان ہے۔اگر تھوڑا غور کریں تو اس میں ایک اکائی مشترک دکھائی دیتی ہے اور وہ ہے غیر موزوں رویہ اور دوسروں کے متعلق غلط گمان رکھنا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے ہم منفی سوچ اور ذہنی تناؤ کا شکار ہوکر اپنی شخصیت کو تباہ کررہے ہوتے ہیں۔جن کے متعلق منفی سوچ کا شکار ہوتے ہیں بعض مرتبہ انھیں خبر تک نہیں ہوتی اور ہم کڑھتے چلے جاتے ہیں۔پھر ہوتا یہ ہے کہ ہم یہی سوچتے رہتے ہیں کہ ہماری زندگی کتنی ناخوش ہے۔

مثبت رویہ ہماری زندگی میں ایک بڑی تبدیلی لاتا ہے جس سے ہم اپنے بارے میں بہتر سوچ پاتے ہیں (خود اعتمادی)، یقین آتا ہے کہ ہم کرسکتے ہیں (اعتماد)۔چاہے جتنی بھی مشکلیں کیوں نہیں ہوں مثبت رویہ ہمیں سب کا سامنا کرنے میں مدد کرتا ہے۔پرسکون اور کامیاب زندگی کے طلب گار ہیں تو ابھی سے عہد کیجیے کہ ہمیشہ اچھا سوچیں گے۔

نظام الاوقات:

ابھی آپ کو نہیں پتا، لیکن وقت بہت قیمتی ہوتا ہے۔آپ اگر ایک دن کام پر نہیں آتے تو کوئی کام نہیں ہوتا۔یہی نہیں اگر آپ لیٹ ہوتے ہیں تو اس وجہ سے دوسروں پر بھی اثر پڑتا ہے۔

سوچیے اگر آپ کسی تقریب میں دیر سے پہنچیں جہاں سب آچکے ہیں اور آپ کا انتظار کررہے ہوں۔تقریب شروع نہیں ہوسکتی کیوں کہ آپ اس تقریب کا ایک اہم حصہ ہیں۔آپ کی وجہ سے کتنے لوگوں کا ٹائم برباد ہوا اور لوگوں پر آپ کا تاثر خراب پڑا۔اسی طرح باقی چیزوں میں بھی، ورک، پروجیکٹ، میٹنگ، اسکول، اسائمنٹ اور امتحان یا پھر کسی اسپیشل موقع پر آپ کو ذمہ داریاں اور کام کو مینیج کرنا ہو تو آپ اپنے ٹائم کو موثر طریقے سے مینیج کریں۔

پریشر کو قبول کرنے کا فن:

ہم کشیدگی محسوس کرتے ہیں جب ہم پر پریشر ہوتا ہے۔باس کا پریشر، ماں باپ کا پریشر، میڈیا کا، دوستوں کا، کالجز کا اور ہمارا خود کا، کبھی یہ ہمارے لیے اچھا ہوتا ہے اور ہمیں مدد کرتا ہے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرنے میں اور کبھی لگتا ہے کہ ہم اور برداشت نہیں کرپائیں گے۔کچھ لوگ کشیدگی کو ہینڈل کرلیتے ہیں اور کچھ لوگوں کے لیے یہ کنٹرول سے باہر ہوجاتا ہے۔اگر آپ کو پتا ہے کہ آپ کو کشیدگی کو کیسے ڈیل کرنا ہے تب آپ ریلیکس رہتے ہیں اور اپنے کام پر توجہ مرکوز کرپاتے ہیں۔یہ بھی کامیابی کے باریک رازوں میں سے ایک راز ہے۔تجربہ شرط ہے۔آپ اس کی مشق کرکے تو دیکھیں زندگی سکھی ہوجائے گی۔

معاشرتی اقدار اور اطوار اختیار کریں:

دنیا کے ہر مہذب معاشرے کی یہی تعلیمات ہیں کہ مہذب رہیں۔ادب کریں۔ادب ہی میں معاشرے کا حسن ہے۔ادب و تعظیم بھلا کس کو پسند نہیں۔تعظیم و تکریم ایک ایسا گُر ہے کہ اگر کسی کو پتا چل گیا تو اس نے مہینوں کو دنوں اور دنوں کو گھنٹوں میں بدل کر انسانیت کے دلوں پر راج کیا اور اپنے اہداف کو وصول کیا۔ اپنے اچھے رویہ سے آپ دوسروں کی آنکھوں کا تارا بن کر ترقی کے زینے طے کرسکتے ہیں۔آپ ملازم ہیں یا تاجر آپ شاگرد ہیں یا استاد ذرا کوشش کرکے دیکھیں تو سہی بہترین نتائج آپ کا مقدر ہوں گے۔

انسان دوست بنیں !!

ہم انسان ہیں اور ہمارا واسطہ انسانوں ہی سے ہے، چنانچہ کامیابی کا ایک قاعدہ بتاتا چلوں کہ انسانوں سے پیار کریں۔کسی نے ضیافت کی ہے قبول کریں۔کسی ہوٹل پر کھانے کی دعوت ہے فوراً قبول کریں شادی کی دعوت ہے یا کوئی میٹنگ موقع ضائع نہ کریں۔ دوسروں کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کریں۔چند ہی دنوں میں آپ دیکھتے چلے جائیں گے کہ آپ اپنے گھر میں، دفتر میں، فیکٹری میں، اپنے شعبہ میں اپنے قریبی حاسدین کی بجائے محبین کی تعداد پائیں گے۔کرکے تو دیکھیں۔

بولیں اور کمال بولیں!!

آپ بہت اچھا سوچتے ہیں۔آپ کے پاس الفاظ کا ذخیرہ بھی ہے لیکن مدت سے کچھ کہہ نہیں پائے۔ایک سوال آپ سے یہ بتائیں یہ جو سوچا اور یہ مطالعہ و معلومات ہے اس کا کریں گے کیا۔کہیں ایسا نہ ہو یہ آپ ہی کے ساتھ دفن ہوجائیں گے۔پلیز دوسروں سے تبادلہ خیال کریں۔آپ اپنی کہہ دیں غلط کہا تو درست ہوجائے گا اور اگر درست کہا تو داد مل جائے گی۔کیا خیال ہے آپ کا؟

دوسری بات یہ ہے اپنی مادری، قومی زبان کے علاوہ دیگر دنیا میں رائج زبانوں کو بھی سیکھیں تاکہ وقت کے پہیہ کے ساتھ چل سکیں جیسا کہ آج کل انگریزی زبان کامیابی کے لیے ایک زینہ ہے تو پھر اس زبان کو سیکھیں اس زبان میں دوسروں سے گفتگو کریں اپنی رائے دیں تاکہ بولنے کی جھجک ختم ہونے کے ساتھ ساتھ اس زبان پر گرفت بھی مضبوط ہو۔..... (باقی، ص:۲۹ پر)

شعاعیں

رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عفو و درگذر

حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی

قصوروار اور اپنے دشمن کو معاف کر دینا اسلامی تعلیمات کی ایک اہم تعلیم ہے، اگر کسی نے اپنے کردار و اعمال سے کسی کو تکلیف پہنچایا اور اسکے نتیجے میں غصہ آگیا اور اس حالت میں غصہ سے مغلوب شخص صبر و ضبط، عفو و درگذر سے کام لے باوجود طاقت و قدرت کے انسان کسی کی خطا (قصور) اور ضرر پر صرف خاموش ہی نہ رہے بلکہ دل سے اسے معاف بھی کر دے۔

عفو کا معنی اور مفہوم:

عفو عربی زبان کا ایک لفظ ہے جس کے معانی معاف کرنا، بخش دینا، درگذر کرنا، بدلہ نہ لینا اور گناہ پر پردہ ڈالنے کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں عفو سے مراد کسی کی زیادتی و برائی پر انتقام کی قدرت و طاقت کے باوجود انتقام نہ لینا اور معاف کر دینا ہے۔

قدرت و طاقت نہ ہونے کی وجہ سے اگر انسان انتقام نہ لے سکتا ہو تو یہ عفو (معاف کرنا) نہیں ہوگا بلکہ اسے بے بسی کا نام دیا جائے گا، عفو صرف قادر ہونے کی صورت میں ہے۔ عفو کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی معاف کر دے خواہ طبیعت اس پر آمادہ نہ ہو اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ دل کی رضا و خوشی کے ساتھ معاف کرے اور ممکن ہو تو اس کے ساتھ کچھ احسان بھی کرے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میں نے جنت میں اونچے اونچے محلات دیکھے تو جبرائیل سے فرمایا یہ کن لوگوں کے لیے ہیں! انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ ان لوگوں کے لیے ہیں جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں سے درگذر کرتے ہوئے انہیں معاف کر دیتے ہیں۔ اپنے غصہ کو پی جانا بے شک بڑے ہمت کا کام ہے انسان اپنے دشمن سے انتقام بھی نہ لے اسے دل سے معاف بھی کر دے اس اخلاق کے اپنانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں بہت سے انعامات سے نوازتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عفو و درگذر کرنے کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاس واللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنُ

(ترجمہ): جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں اور تنگ دستی میں اور ضبط کرنے والے ہیں غصہ کو اور درگذر کرنے والے ہیں لوگوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے احسان کرنے والوں سے۔

(القرآن، سورہ آلِ عمران ۳/ آیت ۱۳۴)

امام بیہقی نے اس آیت کی تفسیر میں دلچسپ واقعہ نقل فرمایا ہے۔ امام زین العابدین کی لونڈی آپ کو وضو کرنے کے لیے بھرا لوٹا لائی اس کے ہاتھ سے وہ لوٹا آپ پر گر گیا اور آپ کے کپڑے بھیگ گئے آپ نے نگاہ اُٹھا کر اُسے دیکھا وہ بولی: والْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ.

آپ نے فرمایا: میں نے غصہ پی لیا۔

وہ بولی: والْعَافِیْنَ عَنِ النّاس.

آپ نے فرمایا: میں نے معاف کیا، رب تجھے معافی دے۔

وہ بولی: وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔

بے شک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو۔

آپ نے فرمایا جا تو فِی سَبِیْلِ اللّٰہ آزاد ہے۔

(روح المعانی صفحہ ۹۴ جلد ۳)

اسی طرح حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ آپ کے خادم کے ہاتھ سے آپ کے سر پر شوربا (سالن) گر گیا یہ آپ کو ناگوار گذرا تو خادم نے یہ آیت پڑھی :

ترجمہ: وہ لوگ جو تنگی میں اور فراخی دونوں حالتوں میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، غصہ کو پی نے والے اور لوگوں کو معاف

کرنے والے ہیں (یہ نیک لوگ ہیں) اور اللہ نیک لوگوں کو محبوب رکھتا ہے۔ (آلِ عمران ۳/۱۳۴)

آپ نے فرمایا تجھے معاف کرتا ہوں، آزاد کرتا ہوں اور تیرا نکاح اپنی فلاں لونڈی (کنیز) سے کرتا ہوں اور تم دونوں کا خرچ تا زندگی میرے ذمہ ہے۔ (تفسیر نور العرفان صفحہ ۲۰۵ جلد ۵)

قرآن مقدس نے دوسری جگہ اس سے زیادہ وضاحت سے برُائی کرنے والوں کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا اور یہ بتلایا کہ اس کے ذریعہ دشمن بھی دوست ہوجاتے ہیں ارشاد باری ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (حم سجدہ ۴۱/۳۴)

ترجمہ: برُائی کی مدافعت بھلائی اور احسان کے ساتھ کرو جو جس کے ساتھ دشمن ہے وہ تمھارا گہرا دوست بن جائے گا۔

اس آیت مبارکہ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ مومن کا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دے بلکہ جہاں تک ہوسکے برائی کے مقابلہ بھلائی سے پیش آئے، اگر اسے سخت بات کہے یا برا معاملہ کرے تو اس کے مقابل وہ طرز اختیار کرنا چاہیے جو اس سے بہتر ہو، مثلاً غصہ کے جواب میں برد باری، گالی کے جواب میں تہذیب و شائستگی اور سختی کے جواب میں نرمی و مہربانی سے پیش آئے اس طرز عمل سے دشمن ڈھیلا پڑ جائے گا اور ایک وقت ایسا آئے گا وہ دوست کی طرح برتاؤ کرنے لگے گا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

ترجمہ: ہاں کسی شخص کی طبیعت کی اُفتاد (فطرت) ہی سانپ بچھو کی طرح ہو کہ کوئی نرم خوئی اور خوش اخلاقی اس پر اثر نہ کرے وہ دوسری بات ہے مگر ایسے فرد بہت کم ہوتے ہیں۔ (سورہ ممتحنہ آیت ۷)

دشمنو ں اور غیر مسلموں کے ساتھ رحمة للعالمین کا عفوودرگذر:

حق و باطل کا پہلا معرکہ جنگ بدر کے نام سے مشہور ہے جنگ بدر سنہ ۲ ہجری میں ہوئی اس جنگ میں مسلمان ہر اعتبار سے کفار کے مقابلہ میں کم تر تھے لیکن اللہ کے حکم سے جب مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور میدان جنگ میں کچھ دشمن کے بڑے بڑے سرغنہ قیدی بن کر رسول ﷺ کے سامنے پیش کئے گئے تو آپ نے انہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بغرض حفاظت تقسیم فرمادیا اور حکم دیا کے ان کے ساتھ مہربانی اور محبت سے پیش آنا یہاں تک کہ خود بھوکے رہنا مگر ان کو پیٹ بھر کھانا کھلانا، چنانچہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایسا ہی کیا اور جو لوگ مسلمان کے جانی دشمن تھے خون کے پیاسے تھے مکہ مکرمہ کی زندگی میں آپ کی گردن میں رسی ڈالکر کھینچا تھا چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول ﷺ ساتھ چل رہا تھا اور حضور کے جسم پر موٹے کنارا والا نجرانی چادر تھی اُٹھنے میں ایک اعرابی آیا اور آپ کی چادر کو گلے میں پھنسا کر سخت طریقے سے کھینچا، نبی کریم ﷺ اس اعرابی کی طرف گھوم گئے، میں نبی اکرم ﷺ کے شانۂ مبارک کو دیکھا کہ چادر کے سخت طریقے پر کھینچنے کی وجہ سے چھل گیا تھا پھر اس نے کہا اے محمد! اللہ تعالیٰ کا مال جو آپ کے پاس ہے اس سے مجھے دینے کا حکم دیجیے رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا پھر ہنس کر اس کے لیے بخشش کا حکم دیا۔

(صحیح بخاری کتاب الاداب، باب التبسم والضحک)

اسی طرح کی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اسے معاف کردیا اور خوب نوازا۔ نبی کریم ﷺ کے حلم و بردباری اور عفوو درگذر کے حوالے سے یہ پہلو بڑا روشن و تابناک ہے۔ عبادت کے دوران سجدہ کے وقت کمر مبارک پر غلاظت اور اونٹ کی اوجھڑیاں ڈال دی تھیں لیکن آپ نے کبھی بھی کفار مکہ اور قریش کے سرکش لوگوں سے بدلہ نہیں لیا آپ نے بددُعا نہ فرمائی اور ان کو ہمیشہ پیار و محبت سے اسلام کی طرف دعوت دی آپ نے تو راستہ چلتے میں بوڑھی عورت کے کوڑا ڈالنے پر کبھی کچھ نہیں کہا آپ نے اسکے ساتھ بھی حسنِ سلوک کیا اسیران بدر میں ایک شخص سہیل بن عمر تھا جو عام مجمعوں میں ہمیشہ آپ ﷺ کے خلاف اشتعال انگریز اور گستاخان تقریریں کیا کرتا تھا قیدی بن کر آنے پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ ﷺ اس کے نیچے کے دانت اُکھڑوا دیجیے تاکہ یہ آپ کی شان میں ہجو اور گستاخانہ تقریر نہ کرسکے حضور نے فرمایا اگرچہ میں نبی ہوں لیکن پھر بھی اگر کسی کا عضو بیکار کردوں گا تو اس کے لیے روز قیامت جواب دہ ہوں گا آپ نے سہیل بن عمر کو بھی تمام قیدیوں کی طرح

معافی کا اعلان فرمادیا۔

قیدیوں کے پاس کپڑے نہ تھے ان سب کو حضور نے کپڑے دلوائے آپ نے صحابۂ کرام کو ہدایت فرمادی تھی کہ وہ اسیران جنگ کے ساتھ محبت اور مروت کا سلوک کریں اس لیے صحابۂ کرام قیدیوں کی خوب خاطر و مدارات کرتے تھے۔

عفو صفتِ الٰہی ہے:

عفو اللہ تعالیٰ کی خصوصی اور امتیازی صفت ہے اس لیے اللہ نے اس کے اختیار کرنے کی بار بار تلقین فرمائی ہے اور مختلف انداز میں اپنی بخشش کا اعلان کیا ہے تاکہ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا۔

ترجمہ: بے شک اللہ معاف فرمانے بہت بخشنے والا ہے۔

(النساء، ۴/ آیت ۴۳)

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا۔ (النساء، ۴/ آیت ۱۴۹)

ترجمہ: بے شک اللہ بڑا معاف فرمانے والا بڑی قدرت والا ہے۔

عفو اسوۂ رسول ﷺ ہے:

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو بھی عفو و درگذر کی تلقین فرمائی ارشاد باری ہے:

ترجمہ: سو آپ ان سے درگذر فرمایا کریں اور ان کے لیے بخشش مانگا کریں۔ (آل عمران، ۳/ ۱۵۹)

وَلَقَدْ کُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ فَصَبَرُوْا عَلٰی مَا کُذِّبُوْا وَ اُوْذُوْحَتّٰی اَتٰھُمْ نَصْرُنَا ج

(ترجمہ) اور بے شک جھٹلائے گئے بہت سے رسول آپ سے پہلے تو انھوں نے صبر کیا اس جھٹلائے جانے پر اور ستائے جانے پر یہاں تک کہ آپہنچی انھیں ہماری مدد (القرآن، سورۂ الانعام ۶/ آیت ۳۴)

مصیبت و ایذا کے وقت اپنے آپ کو روکنا اور متاثر نہ ہونا صبر کہلاتا ہے۔ اپنی طبیعت کو غصہ سے ضبط کرنے کا نام حلم ہے، خطا پر مواخذہ نہ کرنے کو عفو کہتے ہیں، یہ صفت اللہ کے رسول ﷺ کی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی ذات کے حق کے لیے کبھی انتقام (بدلہ) نہ لیا ہاں جب کسی حرمت اللہ کی بحرمتی دیکھتے، تو اللہ کے واسطے اس کا انتقام لیتے۔

(صحیح بخاری باب صفۃ النبی ﷺ)۔

بدر کے قیدیوں میں ایک شخص عزیز بن عمر بھی تھا جو لشکر کفار کا علم بردار تھا۔ عزیز کا بیان ہے کہ مجھے گرفتار کرکے مدینہ کی طرف لاتے ہوئے انصاری صحابی راستہ میں جب کھانا کھانے بیٹھے تو میرا خیال اس قدر رکھتے تھے کہ ان کے پاس جو کھانا ہوتا تھا وہ تو مجھے دیتے تھے اور خود بھی بھوکے رہتے تھے یا کھجوریں کھا کر گزارہ کرلیا کرتے تھے۔ میں مارے شرم کے وہ روٹی ان میں سے کسی کو دے دیتا تھا تو پھر وہ روٹی گھوم کر مجھ ہی کو واپس مل جاتی۔ اسیران جنگ کے عزیزوں نے جب فدیہ دے کر قیدیوں کو واپس لینا چاہا تو مسلمانوں نے خوشی سے ان قیدیوں کو واپس کردیا اس وقت عزیز بن عمر نے جانے سے انکار کردیا اور مشرف بہ اسلام ہوئے، دنیا کی تاریخ میں کوئی واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جاسکتا کہ کسی قوم نے دشمنوں کے ساتھ ایسا شریفانہ سلوک کیا ہو، یہ تھا محبوبِ رب العالمین سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم کا عفو و درگذر۔

آپ کی سیرت طیبہ کے مطالعہ کرنے والے پر یہ بات بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ آپ نہایت رحم دل اور نرم خو تھے اور ہر اس شخص کو معاف فرمادیتے جو زندگی بھر یا زندگی کے کسی حصہ میں آپ کو تکلیف پہنچاتا رہا کلام الٰہی میں اس کے شواہد موجود ہیں، ارشاد ربانی ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاھِلِیْنَ۔

(سورہ اعراف آیت نمبر ۱۹۹)

اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منھ پھیر لو۔

آپ کی شان اعلیٰ عفو و درگذر کا اعلیٰ نمونہ ہے آپ نے اپنے اقوال بلکہ اپنے اعمال و کردار سے عفو و درگذر کو ثابت فرمایا تمام مومنین کو چاہیے کہ اس اعلیٰ صفت عفو و درگذر کو اپنا کر اپنے دشمنوں اور اسلام کے ماننے والوں کو بھی اس صفت کو اپنانے کی دعوت دیں اللہ اپنے فضل سے ہم سب کو اسوۂ رسول پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

☆☆☆

انوارِ حیات

خلیفۂ حضور شیخ الاسلام پیرِ طریقت

حضرت سید غوث شاہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ڈاکٹر بی محمد داؤد محسنؔ

جن کے اندر خلوص و وفا، انسان دوستی، جذبۂ ایثار اور جذبۂ خدمتِ خلق موجود ہو، جو اپنے علم و عمل، اپنے اخلاق و عادات، کردار و گفتار سے قوم و معاشرے کی اصلاح اور فلاح و بہبودی کے ساتھ ساتھ راہِ حق پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے ہوں، حقیقی زندگی گزارنے پر مخلوق خداوندی کو آمادہ کرتے ہوں، احکامِ خدا پر خود عمل پیرا ہوتے ہوں اور دوسروں کو اس کی تلقین کرتے ہوں، جن کا ہر عمل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہو اور ہمیشہ اس بات کی تلقین کرتے ہوں۔ ایسے افراد اپنے کردار، اپنے عمل اور اپنی خدمات سے ایسے انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں جو ہمیشہ قائم و دائم رہتے ہیں۔ ایسی شخصیات کو دنیاوی اور اخروی نعمتیں برکتیں اور سعادتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ان کا ظاہر اور باطن ایک ہوتا ہے۔ یہ تمام صفات جن میں یکجا ہوتی ہیں تو وہ اللہ والے ہوجاتے ہیں۔ دراصل یہ صفات عطیہ الٰہی ہوتی ہیں۔ مذکورہ صفات کی حامل حقوق اللہ اور حقوق العباد پر عمل پیرا ایک عظیم المرتبت شخصیت سرزمین ہری ہر میں پائی جاتی تھی جن کا اسم گرامی سید غوث شاہ قادری تھا لیکن قاضی صاحب حضرت کے نام سے مشہور و معروف تھے۔ حضرت ایک سچے عاشق اولیاء ہونے کے ساتھ ساتھ صوفی منش، پیر طریقت، علم و عمل کا پیکر، خود شناس و خدا شناس اور حضور شیخ الاسلام کے خلیفہ تھے۔ جن کا دل عشق الٰہی اور عشق رسول سے سرشار تھا اور جن کا عمل قرآن و حدیث کی روشنی میں گذرتا تھا جن کی زندگی سب کے لیے مثالی و نمونہ اور عبرت آموز تھی۔ اب حضرت نہیں رہے لیکن آپ ہمارے دلوں میں نقش ہوکر رہ گئے ہیں انہیں موت کے بعد حیاتِ جاودانی حاصل ہوئی ہے۔ شیخ سعدی کہتے ہیں۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما

قاضی صاحب حضرت کے متعلق لکھوں تو کیا لکھوں۔ کیوں کہ حضرت کی چالیس سالہ حیات و خدمات میرے پیش نظر ہیں۔ یہ وہ خدمات ہیں جو مہر نیم روز کی مانند عیاں ہیں اور یہ وہ زندگی ہے جس کا ہر پہلو ایک کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے موجود ہے۔ حضرت والا کی ذات وہ عظیم ذات تھی جس سے مجھے بے انتہا عقیدت تھی۔ آپ کے پیچھے نماز پڑھتا تو روحانی مسرت حاصل ہوتی۔ آپ کو دیکھتا تو آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سکون مل جاتا، آپ سے ملتا اور مصافحہ کرتا تو آپ کے نرم و نازک اور موم صفت ہاتھوں کی نرمی، ملائمیت اور لمس دیر تک محسوس کرتا۔ آپ کو ملتا تو احترام و عقیدت سے سر جھک جاتا اور میرے دونوں ہاتھ پابوسی کے لیے بے چین ہوجاتے۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ والا وہ ہوتا ہے جسے دیکھ کر اللہ یاد آجائے۔ یقین مانیے حضرت کو دیکھتے ہی اللہ یاد آجاتا تھا۔ حضرت کی شخصیت اور سیرت پر غور کرتا ہوں تو عارفوں کا وجدان، درویشوں کی محبت اور شفقت، دانشوروں کی ذہانت، صوفیوں کی بصیرت اور دیدہ وری مجسم ہوکر میرے سامنے آجاتی ہے۔ مجھ ناچیز کو حضرت سے خلوت اور جلوت دونوں میں ملنے اور فیض پانے کے مواقع حاصل ہوئے۔ میں نے آپ کو مسجد میں منبر پر بھی دیکھا، مصلّے پر بھی پایا، محفلوں میں، راستوں پر، گھر میں غرض ہر جگہ آپ سے فیض پایا۔ زیادہ تر نماز سے فراغت کے بعد میں آپ کے کمرہ میں آپ سے شرف نیاز حاصل کرتا رہا۔

آج ہمارے درمیان حضرت کی ذات بظاہر نہیں رہی مگر حضرت کی یادوں کے نقوش ہمارے دلوں میں رچ بس گئے ہیں۔ آپ کی زندگی نورٌ علیٰ نور تھی، ہمارے لیے عبرت اور سبق آموز تھی۔ جس نے حضرت سے خلوت و جلوت میں صحبت اختیار کی، حضرت کو دل کی آنکھوں سے دیکھا وہ آپ کا گرویدہ اور عاشقِ صادق بن گیا۔

مجھے حضرت سے ملنے کا شرف ۱۹۷۶ میں ہوا۔ جب میں آٹھویں جماعت کے لیے اپنے آبائی وطن بیونہلی سے ہری ہر چلا آیا اور جامع مسجد سے چند قدم کے فاصلہ پر رہنے لگا۔ یہیں پر حضرت کے

پرنسپل ایس۔کے۔اے۔ یچ ملّت کالج، داونگرے، کرناٹک:drmohameddavood@gmail.com

پیچھے نمازیں پڑھتے ہوئے میری تعلیم مکمل ہوئی اور اسی محلہ میں میں نے تقریباً ۲۲ سال گذارے۔ اس کے بعد بھی آخری وقت تک حضرت کے اور میرے مراسم گہرے رہے۔ میں نے جو کچھ دیکھا، پایا اور محسوس کیا ان تمام پہلوؤں کو اجاگر کرنا دشوار کن امر ہے۔

میں نے جب حضرت کو دیکھا تو آپ اس وقت جناب پنچ مجید خان کے مقرب، سب کے ہر دلعزیز، اپنے والد کے جانشین، اردو کے عاشقِ صادق، جامع مسجد کے خطیب و امام، قاضیٔ شہر اور سارے شہر کے روحِ رواں تھے۔ دراز قد، موٹے تازے، چوڑا اور کشادہ سینہ، نہایت گورا رنگ، نورانی چہرہ، نورانی داڑھی، مولویانہ سفید لباس، سر پر عمامہ۔ آپ کی اس وضع قطع میں آخری وقت تک کوئی فرق نہیں آیا وہی پاک صورت اور نورانی چہرہ جو پہلے تھا مگر وقت اور بڑھتی عمر کے ساتھ پاکیزگیٔ وضع اور نورانیت میں مزید اضافہ ہوتا گیا۔ میں نے آپ کے طور طریقہ میں، رفتار و گفتار میں اور قول و عمل میں وہی انداز پایا۔ رفتار و گفتار کی ہم آہنگی میں مرکز اور محیط کا فرق مٹ چکا تھا اور آپ کی شخصیت، آپ کے آدرش اور کاموں میں اس طرح گھل مل گئی تھی کہ دوئی کا خیال تک باقی نہ تھا۔ ہمیشہ وفا کی راہ پر چلتے رہے جب کہ وفا کی راہ پر چلنا، تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ ایسے انسان روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ میرؔ نے ایک جگہ کہا ہے۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

اس عظیم المرتبت شخصیت کی پیدائش داونگرے سے متّصل ایک چھوٹے سے دیہات یرگنٹے کرور میں ۱۲ مئی ۱۹۳۵ء کو ہوئی۔ والد کا نام قاضی سید غفار شاہ قادری تھا۔ جن کے جد امجد سید عبداللہ شاہ قادری ہیں جن کا مزار شریف باتی کے پہاڑ پر موجود ہے۔ حضرت آپ کی نویں پشت ہیں۔ حضرت کے والد کے نانا ٹیپو سلطان شہید کے عہد سلطنت میں قاضی کے منصب پر فائز تھے جنہیں ہری ہر اور ۲۸ قریہ جات کی قضاوت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ اس طرح اس زمانے سے آپ کے خاندان میں قضاوت کا سلسلہ چلا آرہا ہے جسے وہ بحسن و خوبی نباہتے رہے ہیں۔

حضرت نے عصری تعلیم میں ہائر سکینڈری کا امتحان پاس کیا اور اس کے بعد انہیں میسور حکومت میں پرائمری اسکول میں بحیثیت استاد ملازمت حاصل ہوئی۔ آپ نے تقریباً چھ ماہ ہونالی تعلقہ کے قصبہ ساسوے ہلّی میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیں۔ آپ کے والد قاضی سید غفار شاہ قادری قضاوت کرتے تھے ساتھ ہی آپ کی کافی زمینات تھیں۔ اس زمانے میں ایک پرائمری استاد کی تنخواہ بہت کم تھی۔ والد بزرگوار کی خواہش پر حضرت نے وہ پیشہ ترک کر دیا اور ۱۹۶۱ء میں والد صاحب کی رحلت ہوئی تو اس کے فوری بعد حضرت کے حصّے میں قضاوت آئی۔ ایک عرصہ تک کرور میں قیام پذیر تھے۔ ۱۹۷۴ء میں جناب پنچ مجید خان مرحوم کے اصرار پر مع اہل و عیال ہری ہر منتقل ہوئے اور احباب کی خواہش پر قضاوت کے ساتھ ساتھ فتح جامع مسجد میں امامت کے فرائض بھی انجام دینے لگے اور چند سال بعد گورنمنٹ قاضی نامزد ہوئے۔

حضرت نے ہری ہر میں تقریباً ۴۰ سال بے لوث اور بے غرض خدمات انجام دی ہیں۔ یہ وہ خدمات ہیں جس کو ضبط تحریر میں لانا سمندر کو کوزہ میں بند کرنے کے مصداق ہے۔ آپ میں دردمندی، رواداری، پاسِ وضع، علم دوستی جیسی صفات پائی جاتی تھیں۔ حضرت ہمیشہ پابندیوں سے، تعصب و تنگ نظری سے، کہنگی و فرسودگی سے برابر فرار و گریز کرتے رہتے تھے۔

حضرت کا گھر گاندھی نگر بھرم پوری میں جامع مسجد سے تقریباً ڈیڑھ کلو میٹر دور ہونے کے باوجود وقت سے پہلے مسجد میں حاضر ہوجاتے، ایک عرصہ تک کبھی پیدل تو کبھی سائیکل پر آیا کرتے۔ عرصہ بعد آپ نے ایک چھوٹی سی لونا خریدی تھی اور اس کے بعد ایک اسکوٹی لی تھی۔ موسم سردی کا ہو، بارش کا ہو یا گرمی کا کبھی ناغہ نہ کرتے تھے۔

فجر کی نماز کے بعد درس بھی ہوتا اور اس کے بعد طویل دعا کرتے۔ دعا عموماً اردو میں کرتے حضرت ہمیشہ کتابی خطبات دیا کرتے لیکن اس میں حسب ضرورت موقع و محل کے اعتبار سے حذف و اضافہ سے کام لیتے تھے۔ اہم نکات چٹی میں لکھ لاتے اور ان کی وضاحت کرتے۔ آپ نے مصلے پر، منبر پر یا مسجد میں کبھی باآوازِ بلند بات نہیں کی اور نہ ہی کبھی شعلہ بیانی سے کام لیا۔ آپ نے ہمیشہ مسجد کی عظمت اور اس کے تقدس کا خیال رکھا۔ رمضان کے آخری ایام میں روایتی اور مشہور و معروف وداعی خطبہ "الوداع الوداع اے ماہ رمضاں الوداع" بڑے دلدوز انداز میں پڑھتے۔ خود روتے اور سننے والوں کے بھی آنسو نکل آتے۔ نماز نہایت اطمینان اور خشوع و خضوع سے پڑھاتے، عیدین کے خطبات اور نمازیں بھی حضرت کے ذمہ

تھیں مگر چند سالوں بعد حضرت کے صاحبزادے مولانا قاضی سید شمس الدین مصباحی برکاتی نے یہ کام سنبھال لیا۔

حضرت ہمیشہ بچّے، بڑے اور بوڑھوں سے حسن سلوک سے پیش آتے۔ چھوٹے بچے بھی اگر بلاتے تو چلے آتے اور حسب ضرورت مداوا کرتے۔ مالی حالت سے اللہ نے آپ کو خوشحال رکھا تھا اسی لیے وہ دین کا کام یکسوئی کے ساتھ انجام دیتے رہے اور دیگر معاملات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے رہے۔ غرباء و مساکین کے کام آتے، سب کے ساتھ شفقت اور محبت سے پیش آتے اور دعا کرتے۔ اعتماد اور عقیدہ بڑی چیز ہے۔ لوگوں کو حضرت سے عقیدت تھی اسی لیے آپ پر بھرپور اعتماد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ضرورت منداحباب حضرت سے دعا کرواتے، دم کرواتے، تعویذ لکھواتے اور شفا پاتے تھے۔ حضرت یہ خدمت بلاغرض انجام دیتے رہے۔ حضرت کی دعاؤں میں تاثیر تھی۔ نماز کے بعد کئی لوگ بلاتفریق مذہب وملّت مسجد کے باہر قطار باندھے حضرت سے دعا کروانے چلے آتے تھے۔

ایک زمانے تک جامع مسجد میں دو سید تھے۔ جن میں حضرت کے علاوہ وفا شعار، مخلص اور بے لوث انسان سید محی الدین صاحب تھے۔ جنہیں سب مؤذن صاحب کہتے تھے۔ قاضی صاحب اور مؤذن صاحب کی جوڑی مثالی تھی۔ دونوں صبح سے شام تک مسجد کے کام میں لگے رہتے تھے۔ مؤذن صاحب کو ان کی سادگی، شائستگی، شگفتگی، خلوص و وفاداری نے عزت بخشی تھی اور انہیں قابلِ احترام بنا دیا تھا۔ وہ معصومیت کا ایک پیکر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خوش الحانی عطا کی تھی۔ وہ جب بھی اذان دیتے تو اس کی صدائیں سارے شہر میں پھیل جاتی تھیں اور ہر ایک کو معلوم ہوتا کہ ہری ہر کی جامع مسجد سے مؤذن صاحب کی آواز آرہی ہے۔ مؤذن صاحب کی اذان میں ایسی کشش تھی کہ دل بے اختیار مسجد کی طرف قدم بڑھانے پر آمادہ ہوجاتا تھا۔ وہ اس فانی دنیا سے رخصت ہوئے ایک عرصہ بیت چکا ہے مگر ان کی آواز آج بھی ہمیں سنائی دیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اللہ انہیں اپنی رحمت میں جگہ دے۔ کسی نے ایسے ہی لوگوں کے تعلق سے کہا ہے۔

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

ان دونوں میں جو سمجھوتہ تھا اور جو لگاؤ تھا شاید ہی دور حاضر میں کسی امام اور مؤذن کے درمیان دیکھا گیا ہو حضرت نے مؤذن صاحب کو کبھی ان کے سے نہیں پکارا۔ آپ ہمیشہ ”مؤذن صاحب“ ہی کہہ کر بلایا کرتے تھے۔

حضرت قاضیٔ شہر بھی رہے اور گورنمنٹ قاضی بھی۔ حکومت کی جانب سے آپ کو Birth & Death certificates دینے کا اختیار حاصل تھا۔ یہ سرٹیفکیٹس ۱۹۹۸ء تک اسکولوں میں داخلے کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام سرکاری دفاتر میں قبول کیے جاتے رہے۔ سیکڑوں کی تعداد میں لوگوں نے انہیں سرٹیفکیٹس سے استفادہ کیا۔ انہیں سرٹیفکیٹس سے ہم نے بیواؤں اور عمر رسیدہ لوگوں کے پنشن جاری کروائے۔

حضرت میں خدمت خلق کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ صرف شادی بیاہ میں ہی شرکت نہیں بلکہ کوئی بھی انتقال کر جائے اس کی نماز جنازہ خود پڑھاتے۔ اکثر گھروں کی تعمیر کے وقت فاتحہ دینے جایا کرتے۔ کئی لوگوں نے اپنے گھروں کا سنگ بنیاد حضرت کے ہاتھوں رکھوایا۔ کوئی بیمار ہوتا تو عیادت کے لیے ضرور جاتے، تسلی دیتے اور دعا فرماتے۔ آپ کی نظر میں اپنے، پرائے اور امیر غریب کا امتیاز نہیں تھا۔ اسی طرح تمام مسلک کے احباب سے وابستگی، حسن سلوک، اتحاد و اتفاق اور یہاں تک کہ غیرمسلموں کے ساتھ بھائی چارگی اور رواداری سے پیش آتے۔ اسی ہم آہنگی کی بدولت حضرت کو ایک بلند مقام اور مرتبہ حاصل تھا۔

حضرت کی خدمات میں ایک اہم کام جامع مسجد کی تعمیر ہے۔ آپ نے تین محلّے والوں کی مدد سے عظیم الشان مسجد کی تعمیر میں جو کردار ادا کیا وہ قابلِ صد ستائش ہے۔ اس مسجد کے روشن مینار اس بات کے گواہ ہیں۔ اسی طرح آپ نے احاطہ قبرستان کی صدیوں پرانی مٹّی مسجد جو زمیں بوس ہو چکی تھی دیگر احباب کی مدد سے اس کی از سر نو تعمیر کا بیڑا اٹھایا اور ایک شاندار مسجد تعمیر کروانے میں اہم رول ادا کیا۔ جس میں آج پانچوں وقت کی نماز پابندی کے ساتھ ادا ہو رہی ہے۔ جس کی بدولت اطراف واکناف والوں کو نماز کی سہولت ہوئی ہے۔ ٹیپو نگر میں جب مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہوا تو وہاں بھی حضرت کی خدمت لی گئی۔ اس مسجد کا سنگ بنیاد شیخ الاسلام حضور مدنی میاں قبلہ نے رکھا، جب مسجد مکمل ہوئی تو حضرت نے اس کا افتتاح کیا اور وہاں کے احباب کی خواہش پر ایک عرصہ تک متولّی کا عہدہ بحسن و خوبی نباہتے رہے۔ جب حضرت ناڈبند شاہ درگاہ کے احاطہ میں مسجد تعمیر کی گئی تو

اس کا سنگ بنیاد حضرت کے ہاتھوں ڈلوایا گیا۔ اس مسجد کا نام آپ ہی نے "قادریہ مسجد" تجویز فرمایا۔ راجنہلی، آور گول، امراوتی ہری ہر، بھیم نگر وغیرہ کی مساجد کا سنگ بنیاد حضرت نے رکھا۔ علاوہ ازیں کالی داس نگر کی مسجد جو زیر تعمیر ہے اس کا سنگ بنیاد بھی حضرت نے رکھا۔ داونگرے کی عظیم الشان نورانی مسجد کا افتتاح حضرت نے کیا۔ لوگوں کے دلوں میں حضرت کی تعظیم و تکریم کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔

آخری عمر تک حضرت فتح جامع مسجد سے وابستہ رہے۔ یہاں کی کمیٹی والوں کے ساتھ حضرت کا اور کمیٹی والوں کا حضرت کے ساتھ ہمیشہ بھرپور تعاون رہا۔ اسی طرح انجمن اسلامیہ ہری ہر میں بھی حضرت کا تعاون رہا۔ ہری ہر والوں کو حضرت پر اعتماد تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ جب بھی انجمن اسلامیہ کی کمیٹی تحلیل ہوتی، نئی کمیٹی تشکیل پانے تک حضرت کار گزار صدر بنے رہتے اور جب نئی کمیٹی بنتی تو سارا کام کمیٹی کے سپرد کر دیتے تھے۔ کہیں بھی، کبھی اور کوئی بھی موقع ہو آپ نے کسی کی دل شکنی کی اور نہ ہی کسی کو ناراض کیا۔

حضرت ہمیشہ علما نواز رہے۔ حضرت کے تعلقات ملک کے جید علمائے کرام سے تھے۔ جامع مسجد میں ملک بھر سے تمام سلسلہ کے علمائے دین کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا۔ حضرت کی خواہش پر وہ خطاب فرماتے اور تشنگان دین کو سیراب کرتے اور فیض پہنچاتے۔ وہ سب علمائے دین، حفاظ کرام، مفتیان عظام حضرت کا ادب و احترام کرتے تھے۔ پاکستان سے مولانا ربّانی صاحب ہانگل آئے تھے۔ داونگرے میں ان کا خطاب رکھا گیا جب وہ داونگرے آئے تو حضرت سے ملاقات کی غرض سے ہری ہر آئے اور انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے ملاقات کی۔ مولانا مشتاق احمد نظامی، مولانا منصور علی خان وغیرہ سے بھی حضرت کے تعلقات رہے۔ اسی طرح صوفیائے کرام میں درویش بابا اور جوگل بابا سے گہرے تعلقات تھے۔ جامع مسجد کا سنگ بنیاد جوگل بابا کے ہاتھوں ڈلوایا گیا۔ حضرت کی خدمات، اخلاق اور اوصاف سے متاثر ہو کر حضور شیخ الاسلام حضرت سید مدنی میاں قبلہ نے آپ کو ۱۹۹۱ء میں خلافت عطا کی۔

حضرت اولیائے کرام کے بہت بڑے عاشق تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ کئی احباب حضرت کے عاشق بن گئے۔ جب تک صحتمند رہے اس وقت تک ہر سال حضرت عباس علی بابا کے مزار شریف کا غسل دیتے رہے۔ ہانگل شریف والوں کو آپ سے اس قدر لگاؤ تھا کہ حضرت سید مقبول شاہ قادری کے مزار شریف کا غسل دینے کے لیے حضرت کو لے جایا کرتے اور آپ کو حضرت مقبول شاہ قادری کے مزار شریف کو غسل دینے کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ اس کے علاوہ شہر میں کوئی بھی مذہبی جلسہ ہو۔ اس میں کیسے اور کتنے ہی بڑے عالم دین کی تقریر کا نظم ہو، اس تقریب کی صدارت حضرت کو ہی سونپی جاتی تھی۔

حضرت کو اردو زبان سے والہانہ عشق تھا۔ ہمیشہ اردو اسکولوں کی فلاح و بہبودی اور ترقی کے لیے کوشاں رہتے۔ اسکولوں میں حکومت کی جانب سے کتابیں اور یونیفارم بروقت دستیاب نہ ہونے پر کوشش کرتے اور خود اپنی طرف سے کئی بچّوں کو یونیفارم اور کتابوں کا انتظام کرتے۔ ہمیشہ طالب علموں اور تعلیم یافتہ لوگوں کی قدر کرتے تھے۔

آپ نعت گوئی کے مداح تھے۔ میلاد النبی ﷺ کے موقع پر بچّوں کی نعتیہ محفلیں منعقد کرتے تھے۔ آپ کے پاس ہمیشہ ایک ہری تھیلی ہوتی، ہر بچّہ کو نعت سنانے کے بعد اپنی تھیلی میں سے نکال کر مٹھی بند کر کے کچھ نہ کچھ نوازتے۔ اسی طرح دیگر موقعوں پر بھی ہمیشہ ضرورت مندوں کی امداد کیا کرتے تھے۔

حضرت کو تین مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ پہلی بار اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ۔ دوسری مرتبہ بھی آپ اپنی اہلیہ صاحبہ کے ہمراہ حج اور زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ حج سے فراغت کے بعد دوبئی سریا، بیت المقدس اور بغداد پہنچے۔ آپ بغداد شریف میں حضرت غوث الاعظم دستگیر کی بارگاہ کی زیارت کی۔ اس کے بعد آپ سرزمین کربلا گئے اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار شریف پر بھی حاضر ہوئے۔ تیسری مرتبہ آپ نے حج بدل کیا۔ باوڈی والے خلیل صاحب کی والدہ کا روانگی حج سے چند دن قبل انتقال ہوا۔ خلیل صاحب نے حضرت سے اپنی والدہ کے حج بدل کی خواہش ظاہر کی تو حضرت بخوشی روانہ ہو گئے۔ جب بھی حضرت حج سے واپس ہوتے تو اس کی روداد کئی دنوں تک جامع مسجد میں اس طرح سناتے کہ سارا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا اور دلوں میں حج و زیارت کا اشتیاق پیدا ہو جاتا تھا۔

اس ایک چھوٹے سے مضمون میں آپ کی مجموعی خدمات کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ لہذا اس ضمن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ نے ہمیشہ ذہنوں کی تربیت کی، دلوں کو مصفا کیا، اخلاق کی تعلیم دی، کردار کو سنوارنے کی تلقین فرمائی، اتحاد و اتفاق کا درس دیا، ملنساری، عاجزی

وانکساری، بھائی چارگی اور مروت و محبت کا سبق پڑھایا، فرقہ وارانہ ہم آہنگی، قومی یکجہتی، ایثار و قربانی اور آپسی رواداری کی مثال پیش کی اور اپنے اخلاق و کردار سے سادگی، عفوودرگذر، پاک طینت، پاک جذبہ کی بناڈالی ۔آپ نے یہ سارے کام بیان بازی سے نہیں بلکہ عملی طور پر انجام دیا کیونکہ آپ کے گفتار میں شائستگی، نیت میں خلوص اور ذہن کی پاکیزگی صاف نظر آتی تھی۔ان کی نظر کا پیمانہ ہر جگہ بلند اور نظر کا معیار ہر جگہ ارجمند رہا۔

ذہنوں کی تربیت تمدن سے ہوتی ہے اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ جس چیز کا اثر پڑتا ہے وہ قوم و ملّت کی عظیم شخصیتیں ہیں جو زندگی کے کسی نہ کسی شعبہ میں اپنے حسن اخلاق اور اپنے اعمال سے اپنا نقش چھوڑ جاتی ہیں تاکہ ہم اور ہماری نسلیں اس ورثے کی مدد سے اپنے اخلاق و کردار سدھار سکیں اور ان کے نقش قدم پر چل کر اپنی زندگی کو کامیاب و کامران بنا سکیں۔

عالم عطیہ الٰہی ہوتا ہے، نبی کا وارث اور جانشین ہوتا ہے۔وہ دین کا خادم، شریعت کا پاسدار، ایمان کا محافظ، اسلام کا علمبردار، منبر کی زینت، محراب کی جان، مسجد کی شان، امامت کی آبرو، رحمت خداوندی کا مقناطیس اور علم و عمل کا مجسم ہوتا ہے۔اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ایک عالم کی موت ایک عالم کی موت ہوتی ہے۔

قاضی صاحب قبلہ بروز پیر بتاریخ ۲۸ ستمبر ۲۰۱۵ صبح تقریبًا ۱۱.۴۵ بجے اللہ کو پیارے ہوگئے اور دوسرے دن بروز منگل ۲۹ ستمبر ۲۰۱۵ صبح تقریبًا ۱۱.۵۰ ہری ہر کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی حضرت کی زندگی بھی لائق رشک تھی اور موت بھی لائق رشک۔ زندگی ان معنوں میں لائق رشک تھی کیونکہ آپ نے جیسی زندگی گذاری، اپنے عمل سے سب کو ویسی ہی زندگی گذارنے کی تلقین کی اور اپنے صاحبزادوں کو بھی لائق و فائق بنایا۔جن میں حضرت مولانا قاضی سید شمس الدین مصباحی برکاتی ہیں جو قضاوت اور خدمت خلق کے سلسلہ کو برقرار رکھے ہوئے ہیں، اسی طرح فرزند ارجمند قاضی سید قمر الدین ایک مطیع و فرمانبردار اور شریعت کے پاسدار ہیں اور تیسرے قاضی سید محمد فاروق بھی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔ موت ان معنوں میں لائق رشک کہ جب حضرت کے رحلت کی خبر پھیلی تو ایسا لگتا تھا گویا لوگوں کی سانسیں رک گئی ہوں۔چند ہی منٹوں میں سارا شہر سوگوار تھا۔خواہ مرد ہو یا عورت، جواں ہو کہ بزرگ ہر ایک غمناک تھا۔ دوسرے دن صبح گھر کے پاس عقیدت مندوں کی بھیڑ جمع ہوگئی۔جنازہ اٹھایا گیا تو اتنا ہجوم تھا کہ کئی لوگ کندھا دینے سے محروم رہ گئے۔عید گاہ میں سارا شہر اور اطراف و اکناف کے کئی شہروں سے عاشقان و معتقدان حضرت جوق در جوق چلے آئے تھے اور حضرت کی دید کے متمنّی تھے جن میں تمام شعبہ ہائے زندگی کے احباب کے علاوہ علمائے دین، حفاظ کرام، ائمۂ عظام کا ایک قافلہ تھا جو امڈ آیا تھا۔جب جنازہ کی نماز ادا کی جارہی تھی تو لوگ صفوں کو چیر کر آگے بڑھنے اور پہلی صف میں کھڑے ہونے کے لیے آپس میں رسّہ کشی کررہے تھے۔

موت تو آنی ہے آکر رہے گی۔لیکن یہ موت کا معمولی واقعہ نہیں جو ہر روز پیش آتا ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ماضی کو حال سے ملانے والی ایک زنجیر تھی جو ٹوٹ گئی، اسلامی تہذیب کا ایک ستون تھا جو گر گیا۔حضرت کی موت پر دکھ، درد، صدمہ، رنج، ملال، ماتم جیسے الفاظ اپنی معنویت کھو چکے ہیں، کمزور معلوم ہوتے ہیں اور دیدہ و دل کی حالت بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ایسی شخصیتوں سے مرنے کے بعد نور کی لہریں نکلتی رہتی ہیں اور نور افشانی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔وہ ہستیاں جو اپنے آپ کو ایک بڑے مقصد کے لیے تج دیں، جو سچّائی کی راہ میں مٹ جائیں، ان کے لیے مرنے کے بعد بھی موت نہیں۔وہ ہمارے دلوں میں رہ جاتی ہیں اور رگ وپے میں سرایت کرجاتی ہیں لیکن جدائی کی گھڑیاں یاد آتی ہیں تو ان کی کمی محسوس ہوتی ہے، دل تڑپ اٹھتا ہے اور آنکھیں خود بخود نم ہوجاتی ہیں۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

بنارس میں
ماہنامہ اشرفیہ حاصل کریں

(۱)-جناب الحاج ابرار احمد عزیزی
جنرل اسٹور، پیلی کوٹھی، بنارس

(۲)-جناب امیر الحکیم عرف راجو
ابن الحاج عبد الحکیم عزیزی مرحوم
حکیم کلاتھ ایجنسی، حافظ لنگڑے کی مسجد، نئی سڑک، بنارس

صوفیِ باصفا حضرت الحاج حکیم سید محمد احمد قادری علیہ الرحمہ

ولادت: ۲/ اگست ۱۹۳۸ء - وصال: ۱۶/ اپریل ۲۰۱۶ء

نور الامین چشتی صابری

آنکھیں رو رو کے سُجانے والے
جانے والے نہیں آنے والے

۸/ رجب المرجب ۱۴۳۷ھ/۱۶/ اپریل ۲۰۱۶ء کو دنیائے سنیت کی ایک عظیم شخصیت اور ہندوستان کے مشہور و معروف حکیم حضرت الحاج حکیم سید محمد احمد قادری علیہ الرحمہ وصال فرما کر اندھیرا اور گہرا کر گئے۔ حضرت کی حیات ایک تابندہ باب تھی، ان کی زندگی کا گوشہ گوشہ محبت الٰہی، عشقِ رسول، معرفت و عقیدت، صبر و توکل اور تشکر و امتنان سے لبریز تھا۔ زیرِ نظر مضمون انھیں کی یاد میں لکھا گیا ہے۔ موصوف ایک درویش اور قلندر صفت شخصیت کے حامل تھے، ان کی حیات کا گوشہ گوشہ ہمیں دعوتِ فکر دیتا ہے، اگرچہ وہ کسی بڑی درس گاہ سے فارغ نہیں تھے، علم حاصل کر لینا اور مختلف علوم و فنون کا ماہر بن جانا ایک الگ بات ہے، لیکن بارگاہِ رسول میں مقبولیت کا درجہ پاکر فیضِ نبی کو عام کرنا اور مئے اسلام سے تشنہ لبوں کو سیراب کرنا، یہ ایک عاشقِ رسول کا حصہ ہوا کرتا ہے۔ کسب کے ذریعہ ایک ماہر عالم تو بنا جا سکتا ہے لیکن بارگاہِ نبوی میں مقبول ہو کر اپنی روحانی قوت سے دلوں میں میں اسلام کی شمع روشن کرنا اور ان میں محبت رسول جاگزیں کرنا، یہ دولت بندے کو خدا کے فضلِ خاص اور تائیدِ غیبی سے حاصل ہوتی ہے۔ ہمارے حضرت حکیم صاحب علیہ الرحمہ کی ذات بھی کچھ ایسی ہی تھی، ان کے یہاں سب سے بڑی دولت جو ملتی تھی وہ یہ تھی کہ لوگ عشقِ رسول ﷺ سے مالا مال ہوتے، ان کی درویشانہ زندگی کو دیکھ کر فکرِ آخرت اور اللہ و رسول پر یقین کامل حاصل ہوتا تھا۔ ان کے پرکشش اور نورانی چہرے کو دیکھ کر خدا کی یاد آتی تھی اور اطاعت الٰہی کا رجحان دل میں پیدا ہوتا تھا، اب جب کہ وہ ہم میں نہ رہے تو ان کی رہ رہ کر یاد آتی ہے۔

آپ بلا شبہہ دورِ حاضر ہیں اہلِ سنت کے عظیم سپاہی اور مذہب و مسلک کے سچے داعی تھے۔ سہارن پور جیسی سخت اور بنجر زمین پر انھوں نے اہلِ حق کا پرچم لہرایا اور مسلکِ رضا کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں جو گراں خدمات انجام دی ہیں ان کا یہ وہ کارنامہ ہے جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ سہارن پور کی مرتی ہوئی سنیت کو زندہ کرنا اور وہاں پر اولیاء اللہ کی عقیدت کا چراغ جلانا، یہ خدمات ناقابلِ فراموش او تاریخی حیثیت کی حامل ہیں اور حقیقی بات بھی یہ ہی ہے کہ آج وہاں جو کچھ سنیت محفوظ ہے اس میں آپ کا دعوتی کردار بڑی اہمیت رکھتا ہے، یا پھر ان کے پیر و مرشد خاتم المحدثین خواجہ سراج الدین، حضرت علامہ مولانا سید محمد خلیل کاظمی المتخلص بہ خاکی امروہوی قدس سرہ کا فیضان کہیے جنھوں نے نگاہِ ولایت ڈال کر اپنے مرید کو ذوقِ معرفت سے آشنا فرما دیا اور حکیم صاحب قبلہ تنہا غیروں کی اکثریت کے سامنے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے آمادہ ہو گئے۔ مسلک میں پختگی اور استقامت فی الدین پیر مرشد ہی کی صحبت کا نتیجہ تھی۔ حضرت حکیم صاحب ہر دل عزیز شخصیت ہونے کی بنا پر عوام و خواص میں بے پناہ مقبول تھے۔ سہارن پور میں ان کی حیثیت بتیس دانتوں میں ایک زبان کی تھی، مگر دیابنہ سے کبھی خوف نہیں کھایا، ہمیشہ ان کے سامنے سینہ سپر رہے، علمائے اہلِ سنت کے بڑے قدر داں تھے، عام طور پر بلا معاوضہ ان کا علاج کرتے تھے، ان کی خدمات کی بنا پر علمائے اہلِ سنت ان سے بے حد متاثر تھے، رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ جیسے مصروف عالم آپ کے یہاں ڈیڑھ ڈیڑھ ماہ قیام کرتے تھے۔ جب صابری جامع مسجد اور مدرسہ غوثیہ رضویہ کی تاسیس کا کام عمل میں آیا، تو حضرت حکیم صاحب کے ساتھ علامہ ارشد القادری صاحب کی جد و جہد اور کوششیں شاملِ حال رہیں۔ بلکہ حضرت علامہ کے مشورے اور تعاون سے ہی وسط شہر میں تین یا چار بیگھ زمین خریدی گئی، جس کے لیے ایک خطیر رقم حکیم صاحب نے اپنی خاص کوشش سے ادا کی، ایک خوش نما عالی شان سہ منزلہ مسجد تعمیر کرائی جسے آج بھی لوگ دیکھنے کے لیے آتے ہیں، پھر ادارے کا کام شروع ہوا، زیادہ خرچ مدرسین و طلبہ کا حضرت حکیم صاحب اپنی حیات میں دیتے تھے اور آج ان کے شہزادگان ادا کرتے ہیں۔ آج یہ ادارہ آپ کے بڑے صاحب زادے

متعلم جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

حضرت الحاج حکیم سید محمد طارق چشتی مدظلہ العالی کی زیرِ نظامت اور جواں سال عالمِ دین حضرت مولانا محمد ناصر علیمی بحسن وخوبی چل رہا ہے، استاذ الحفاظ حضرت حافظ وقاری محمد مستقیم قادری، حضرت حافظ وقاری محمد احمد صابری نوری کی بے پناہ تدریسی محنتیں بھی شامل ہیں، شہزادۂ خاتم المحدثین حضرت مولانا سید مرغوب امین کاظمی دامت برکاتہ العالیہ، پیرِ طریقت حضرت علامہ سید نور الامین کاظمی دامت برکاتہ القدسیہ خلیفہ وشہزادے خاتم المحدثین ان دونوں بزرگوں کے زیرِ سایہ ترقی کی طرف رواں دواں ہے اور سہارن پور کے سنی مسلمانوں کی مذہبی قیادت کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔

نام ونسب اور ولادت:

آپ کی ولادت ۲/ اگست ۱۹۳۸ء کو ضلع بجنور کے ایک قصبہ چاند پور میں ہوئی، بچپن نیک والدین اور نانی ماں کی آغوش شفقت میں گزرا۔

آپ کے نانا نے آپ کا نام "غریق احمد" رکھا تھا، لیکن رسول کریم ﷺ کی محبت نے آپ کو اس نام پر آمادہ نہ رکھا اور اپنا نام بدل کر محمد احمد تجویز کر لیا اور اسی نام سے متعارف ہوئے۔

آپ کے والد ماجد جناب مولانا حکیم سید مختار احمد چشتی علیہ الرحمہ بہت نیک، دین دار اور شریف آدمی تھے۔ لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے تھے، نہایت رحم دل اور سخی تھے، ان کی رقتِ قلبی کا ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔ برسات کا موسم تھا، سرد ہواؤں اور بارش کے تسلسل سے لوگوں کی آمد ورفت کافی حد تک بند ہوگئی تھی۔ آپ اپنے مطب میں ذکر وفکر میں مشغول ہو کر جلوہ فگن تھے۔ آپ کے بڑے صاحب زادے الحاج حکیم سید محمد احمد قادری بھی آپ کے پاس موجود تھے، جو اس وقت نو عمر تھے۔ ایک رکشہ والا نہایت پریشانی اور کرب کے عالم میں آپ کے پاس آیا، بخار کی شدت سے اس کا جسم جل رہا تھا، اسے کوئی آمدنی بھی نہ ہوسکی تھی، اس لیے اس کے پاس پیسے بھی نہیں تھے، آپ نے بڑے پیار بھرے انداز میں اس کی نبض دیکھی، مرض کے مطابق اسے دوا دی، پھر اپنی جیب سے کچھ پیسے نکالے اور رکشہ والے کو عنایت کر دیے۔ جب وہ چلا گیا تو آپ کے صاحب زادے عرض کرنے لگے، ابو جان! آج کوئی مریض بھی نہ آسکا اور جو پیسے تھے وہ آپ نے اس رکشہ والے کو دے دیے۔ آپ نے فرمایا: بیٹے! یہ رکشہ والا ایک غریب آدمی تھا، محنت اور مزدوری کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہے، آج اسے کوئی آمدنی بھی نہ ہوسکی جو پیسے ہم نے دیے ہیں ان سے اپنے بچوں کی روزی روٹی کا سامان مہیا کرے گا۔

والدہ ماجدہ جمیلہ خاتون بھی بہت نیک، تہجد گزار اور خوش عقیدہ خاتون تھیں۔ سات برس کی عمر سے نمازِ تہجد بھی شروع کر دی تھی اور تاحیات بڑی حد تک اس نماز کی پابند رہیں۔

وصال والدہ:

آپ کی والدہ آپ کے سامنے باحیات تھیں، آپ کے وصال سے ۲۰/ دن بعد سو سے زائد سال کی عمر گزار کر ۹/ مئی ۲۰۱۶ء کو وہ بھی اس دنیا سے چل بسیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حالاتِ طفلی:

بچپن سے ہی نہایت ذہین اور طباع تھے۔ پانچ برس سے نماز شروع کر دی تھی اور اسی عمر سے نمازِ تہجد کے بھی شوقین ہوگئے تھے۔ پانچ برس کی عمر میں نانی ماں کا سایہ نصیب ہوا، وہ ایک تہجد گزار خاتون تھیں، جب رات کو نمازِ تہجد کے لیے بیدار ہوتیں تو آپ بھی بستر چھوڑ دیتے اور اپنی نانی ماں کے ساتھ تہجد کی نماز ادا کرتے۔ اگر کبھی آپ کی آنکھ نہ کھلتی تھی تو آپ کی نانی لحاف میں پانی کی بوندیں ٹپکا دیتی تھیں اور آپ بیدار ہو جاتے تھے۔ اس طرح ننھی سی عمر سے ہی اطاعت ربانی کی چادر زیب تن فرما کر شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے اس شعر کے حقیقی مصداق بن گئے تھے۔

بالائے سرش ز ہوش مندی
ستارۂ می تافت سر بلندی

گھر کی مالی حالت کچھ کمزور دیکھ کر آپ نے نوعمری ہی میں ایک حکیم کے یہاں ملازمت اختیار کی، حکیم صاحب نے آپ کی اعلیٰ لیاقت کو دیکھ کر آپ کی مزدوری دوسرے ملازموں سے زیادہ کر دی تھی۔ ابتدا ہی سے محنتی اور مخلص تھے۔ والد ماجد جو کام آپ کو سپرد کر دیتے اسے پورے خلوص اور تندہی کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ صداقت اور دیانت داری بچپن ہی سے فطرت میں موجود تھی۔

بیعت اور تعلیم:

آپ نے تعلیم اپنے والد ماجد کے زیرِ سایہ حاصل کی۔ آپ کے والد ماجد مولانا حکیم سید مختار احمد چشتی علیہ الرحمہ بچپن میں ہی آپ کو سہارن پور اپنے ساتھ لے آئے تھے، پھر کچھ دنوں مدرسہ جامعہ عربیہ مظاہر العلوم (قدیم سہارن پور) کے شیخ الجامعہ سے بھی پڑھا لیکن ان سے کچھ بھی متاثر نہ ہوئے۔

آلِ رسول سے مرید ہونے کی خواہش تھی، بفضلہ تعالیٰ یہ خواہش

پوری ہوئی۔ ۱۹۶۹ء کو عرسِ صابری کے موقع پر کلیر شریف میں خاتم المحدثین خواجہ سراج الدین حضرت علامہ سید محمد خلیل کاظمی المتخلص بہ خاکی امروہوی قدس سرہ کے دست حق پرست پر سلسلہ چشتیہ صابریہ قادریہ نقشبندیہ میں بیعت ہوگئے اور انھیں کے لائق فرزند و جانشین پیرِ طریقت حضرت سید نور الامین کاظمی دامت برکاتہ القدسیہ نے آپ کو اجازت و خلافت عطا کی اور بھی دیگر مشائخ کرام نے اجازت و خلافت سے نوازا۔

مرشدِ کامل سے وابستہ ہونے کے بعد آپ کی زندگی میں ایک نیا انقلاب پیدا ہو گیا، مرشد کی بافیض صحبت نے آپ کو ذوقِ معرفت کی لذت سے آشنا کر دیا تو آپ اپنا سب کچھ دینِ مصطفیٰ پر نثار کرنے کے لیے آمادہ ہوگئے۔ آپ کے گھرانے کو جو دین داری اور دینی فکر و مزاج ملا ہے وہ اسی کاظمی گھرانے کا فیضان ہے۔ آپ خود اپنی زبان سے اس کا اعتراف کرتے تھے۔

ان کے والد ماجد حکیم سید مختار احمد چشتی علیہ الرحمہ ان سے فرماتے تھے۔ بیٹا تمھارے پیر علامہ سید محمد خلیل کاظمی قطب ہیں۔ قطب کی پہچان ہمارے نانا نے ہم سے فرمائی ہے کہ جب درود شریف اس کے سامنے پڑھا جائے تو وہ پیٹھ نہیں کرے گا اور یہ بات تمھارے مرشد میں موجود ہے۔ ہم نے تین بار ایسا کیا ہے، جب بھی ان کے سامنے درود شریف پڑھا پیٹھ نہیں کرتے اور فوراً سامنے ہو جاتے ہیں۔

عادات و اطوار:

آپ کی زندگی کا گوشہ گوشہ تصوف و معرفت کا آئینہ دار تھا۔ صوفیاے کرام میں جو صفات پائی جاتی ہیں، وہ آپ کے اندر موجود تھیں، ہمہ وقت باوضو اور درود شریف کا وِرد تلاوتِ کلام اللہ سے بے انتہا لگاؤ اور نمازوں کی باجماعت پابندی، حتیٰ کہ سفر میں بھی پورا پورا اہتمام فرماتے تھے۔ اخلاقِ جمیلہ اور اوصافِ حمیدہ کے حامل تھے۔ عموماً آنے جانے والوں سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ غصہ و غضب کے وقت بھی میٹھے بول سے اپنے مخاطب کا دل جیت لیتے تھے۔ نہایت منکسر المزاج اور متواضع تھے، نہایت پیری اور بڑھاپے کے عالم میں بھی مال اور جان دونوں سے خدمتِ خلق کا کام انجام دیا۔ سخاوت و فیاضی میں بھی اپنی مثال آپ تھے، ہر ماہ غریب اور بیوہ عورتوں کو وظیفہ دیا کرتے تھے، جس کا علم لوگوں کو ان کے وصال کے بعد ہوا۔ بڑے بڑے اہلِ منصب اور اہلِ ثروت لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے، لیکن ذاتی مفاد کی خاطر ان سے اپنا تعلق استوار نہ کیا۔ اگر تعلق رکھا تو صرف مذہبی مفاد کی خاطر۔ حبِ اولیا اور عشقِ رسول میں بھی انفرادی حیثیت رکھتے تھے۔ جب آپ کے سامنے نعت پڑھی جاتی تھی تو بے خودی کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ سادات کرام کا حد درجہ احترام کرتے تھے اور احباب سے حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے۔ آپ ہر جمعرات کی شب میں محفلِ میلاد پاک، ہر قمری مہینے کی گیارہ تاریخ کو گیارہویں شریف کا انعقاد نہایت اہتمام سے کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مقررہ تاریخوں میں یادگارِ شہیدِ اعظم، عید میلاد النبی، جشن غوثِ اعظم، جشن خواجہ غریب نواز، جشن امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عرسِ حسان العصر حضرت علامہ خاکی امروہوی و غزالیِ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی امروہوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہایت تزک و احتشام سے مناتے تھے۔ ان تمام تقریبات میں جید علماے کرام کی تقاریر اور نعتیہ و منقبتی مشاعروں کا اہتمام بھی کرتے تھے تاکہ عوام سچے دین کو سمجھیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔ ان کی زندگی میں ایسے اعلیٰ نمونوں کی بہتات تھی، جس پر انسانیت ہمیشہ فخر کرے گی۔ وہ ایک تاریخ ساز شخص تھے، خوشی کی بات یہ ہے کہ آج ان کے شہزادگان ان کے مشن کو زندہ کیے ہوئے ہیں اور سارے بیٹے اپنے باپ کی یادگار ہیں۔

روحانی فیض اور کرامت:

آپ کا فیض پورے شہر سہارن پور پر ابرِ باراں کی طرح برس رہا تھا۔ روزانہ صبح کو شہر کے دور دراز محلوں سے سیکڑوں مرد و زن اپنے بچوں اور بیماروں کو لے کر روحانی علاج کے لیے آتے تھے۔ آپ کی زندگی بھی کچھ عجیب تھی، دیکھتے ہی طبیعت مائل ہو جاتی تھی۔ ان کا عشقِ رسول اور نورانی چہرہ گرویدہ ہونے پر مجبور کرتا تھا۔ یہ آپ کی روحانیت اور پرکشش شخصیت کی ہی تو بات ہے کہ بڑے بڑے کٹر اور سخت بد مذہب آپ کے ہاتھ پر از سرِ نو داخلِ اسلام ہوئے۔ ہر خاص و عام اور چھوٹے بڑے کے دل میں آپ کی عظمت روشن تھی، یہی وجہ ہے کہ جس دن آپ نے وصال فرمایا، اس دن پورے شہر میں غم و افسوس کا ماحول چھایا ہوا تھا۔ کتنے دل غمگین اور آنکھیں اشک بار تھیں، جس نے جہاں سنا وہیں رونے لگا، جو لوگ آپ کے مخالف تھے انھوں نے بھی افسوس ظاہر کیا۔

.............................(باقی ص: ۴۲؍ پر)

درسِ نظامی

کیا جدید اسلامی درسیات کی تدوین ممکن ہے؟

غلام رسول دہلوی

امریکہ کی یونیورسٹی نوٹرے ڈیم کا "مدرسہ ڈسکورس" (Madrasa Discourse) درس نظامی کے پروردہ علما کے لیے ایک زبردست علمی وفکری تجربہ ہے۔اس کا بنیادی مقصد روایتی اسلامی درسیات کو معاصر سائنسی افکار ونظریات کے ساتھ ہم آہنگ کرنا ہے...

جدید اسلامی درسیات:

اخلاقی اور روایتی بنیادوں پر مبنی ایک ترقی پسند اسلامی درسیات کی تدوین عرصۂ دراز سے ایک شدید علمی ضرورت رہی ہے۔ علمائے اسلام اور فقہائے امت کو عصر حاضر کے مسائل پر تحقیقی انداز میں سوچنے سمجھنے اور اپنے موقف کا اظہار کرنے کے قابل بنانے کے لیے اس کا تقاضا محسوس کیا جاتا رہا ہے۔ روایتی دینی مدارس سے فارغ ہونے والے علمائے کرام آج بھی دنیا بھر میں مسلمانوں کی روزمرہ عملی زندگی کے مسائل و معاملات میں رہنما اور مرجع مانے جاتے ہیں۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ اب ذہنی اور فکری طور پر اس قابل نہیں رہے کہ امت یا عالمی مسلم برادری کو درپیش چیلنجز اور مسائل کو ایڈریس کر سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جدید زندگی میں تیزی کے ساتھ پیدا ہونے والی تبدیلیوں اور ابھرتے ہوئے مسائل میں عالمی مسلم سوسائٹی کی رہنمائی کے لیے آج علمائے اسلام جدید علوم و فنون سے لیس نہیں ہیں۔

معاصر علما وفقہا کا فکری نقطۂ نظر:

افسوس ناک امر یہ ہے کہ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس دور میں بھی علمائے کرام درس نظامی کے قدیم نصاب تعلیم کی آغوش میں پروردہ افکار و نظریات سے مطمئن ہیں۔ نتیجتاً بسا اوقات بعض مفتیان عظام ایسے بے تکے فتوے جاری کر دیتے ہیں جن سے مسلمانوں کی روزمرہ زندگی کے معاملات کی تضحیک ہوتی ہے۔ پوری دنیا میں مسلمانوں کی دقیانوس تصویر کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے۔ غلط استدلال اور بے بنیاد دلائل پر مبنی فتوے اجتماعی طور پر پوری امت کے لیے بدنامی اور ذلت ورسوائی کا باعث ہیں۔ اب تو لوگوں کو یہ لگتا ہے کہ ہمارے دینی قائدین ماقبل تاریخ کے دور میں پھنسے ہوئے ہیں اور سائنسی حقائق سے مکمل طور پر بے خبر ہیں۔

آج پوری مسلم دنیا لاتعداد مذہبی اور جغرافیائی مسائل کے ساتھ نبرد آزما ہے، جبکہ علما اور اسلامی رہنما اپنے فرض منصبی کو پورا کرنے میں بری طرح ناکام ہیں۔ اس کے بجائے ان کی فرسودہ اور رجعت پسند فکریں صرف اس خیال کو تقویت دیتی ہیں کہ مسلمان ترقی پسند خیالات یا نئے افکار ونظریات کو گلے لگانے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوسکتے۔

درحقیقت یہ المیہ ثابت شدہ سائنسی حقائق کے ساتھ غیر ہم آہنگی کا ایک ناگزیر نتیجہ ہے۔ علمی اور عقلی ارتقا پر ابھارنے والی قرآنی آیات کریمہ اور دیگر اسلامی روایات کا بغور مطالعہ کر کے ایک آفاقی اسلامی وفقہی نظریہ کو فروغ دیا جاسکتا ہے، مگر اس اہم ترین علمی و دینی ضرورت کو پورا کرنے میں علما کی ناکامی قابلِ تشویش ہے۔

ایک ایسے دور میں کہ جب دنیا سائنسی نظریات کے روشن مرحلہ Age of Enlightenment میں برسوں سے جی رہی ہے، مسلم علما اور فقہا کے لیے سماجی اور مذہبی خیالات میں بتدریج منطقانہ ارتقا حاصل کرنا انتہائی ضروری ہو چکا ہے۔ یہ ان مدرسوں کی سب سے اہم ذمہ داری ہے، جو اپنے طالب علموں کو اسلامی روایت و درایت میں تو خاطر خواہ ماہر بنا دیتے ہیں، لیکن انہیں جدید انسانی اور سائنسی اقدار کو سمجھانے میں ناکام رہتے ہیں۔

مدرسہ ڈسکورس (Madrasa Discourse)

اس اہم ضرورت کے پیش نظر امریکہ کی یونیورسٹی نوٹرے ڈیم کے ایک شعبہ نے ''متنوع جدیدیت'' کے عنوان سے مدارس کے نظام و نصاب تعلیم میں درکار اصلاحات کا ایک تجرباتی منصوبہ پیش کیا ہے۔ ۲۰۱۷ میں شروع کیا گیا یہ پروجیکٹ برصغیر میں مدارس کے فارغین کی عصری تعلیم و تربیت، دانشورانہ صلاحیت اور ان کی علمی مصروفیت کو بہتر بنانے کے لیے ۳ / سالہ آن لائن پروگرام ہے۔ یونیورسٹی کی ویب سائٹ نے اپنے اس اقدام کا مقصد واضح طور پر اس طرح بیان کیا ہے:

"علما پوری دنیا میں مسلمانوں کے اقدار اور ان کے روز مرہ کے معمولات میں فیصلہ کن رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ وہ اپنی کمیونٹی کے سماجی اور ثقافتی نقطہ نظر کی تشکیل میں عالمی مسلم معاشرے میں بالعموم اور خاص طور پر جنوبی ایشیا میں روایتی اسلامی تعلیمات کے محافظ ہیں۔ لہذا علما اور فقہا کی صلاحیتوں میں اضافہ کرنے سے لاکھوں لوگوں پر اس کے غیر معمولی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ جنوبی ایشیا میں مسلم معاشروں پر تبدیلی کن اثرات مرتب کرنا اس منصوبے کا اہم مقصد ہے۔"

مدرسہ ڈسکورس "Madrasa Discourses" کے عنوان سے اس وسیع پروگرام کا بنیادی مقصد روایتی اسلامی فقہ کو معاصر سائنسی افکار و نظریات کے ساتھ ہم آہنگ کرنا ہے۔ یہ تین سالہ کورس بنیادی طور پر چار مبادیاتی حصوں پر مشتمل ہے: علم الکلام، فقہ اسلامی، تاریخ اسلامی، کلاسیکی اور جدید اسلامی نظریات کی مختلف شاخوں کا ایک معروضی مطالعہ۔ علاوہ ازیں، اس کورس میں داخلہ لینے والے مدرسہ کے طالب علموں کے لیے انگریزی اور عربی زبان میں قابلیت پیدا کرنے کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ ان طلبہ کو "بی بی سی انگریزی لرننگ پروگرام" (BBC Learning English) کے ذریعے انگریزی زبان میں مہارت حاصل کرنے پر خصوصی زور دیا جاتا ہے۔

قدیم اسلامی درسیات کے خدوخال:

اٹھارہویں صدی کے اوائل میں ہندوستان کے دینی مدارس میں ایک جامع نصاب تعلیم رائج تھا جس میں مذہبی اور فلسفیانہ علوم کے علاوہ عصری و سماجی علوم کی متعدد کتابیں شامل تھیں۔ ان اسلامی مدارس نے دینی مضامین کے ساتھ عصری و سماجی علوم مثلاً: ریاضی، فلکیات، طب، فلسفہ، منطق، جغرافیہ، ادب، کیمیا جیسے مضامین کی شمولیت سے دینی و عصری نصاب تعلیم کا ایک جامع نقطۂ نظر پیش کیا تھا۔

درس نظامی کے نصاب کو نافذ کرنے کے پیچھے اس وقت کے اہل مدارس کے پاس بہت ساری وجوہات تھیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے: "جب مغلوں نے ہندوستان پر اپنا تسلط قائم کر لیا تو درس نظامی کا نظام تعلیم جنوبی ایشیا میں وسیع پیمانے پر پھیل گیا۔ ہندوستان دینی علوم کے مراکز اور تعلیمی اداروں کے لیے دنیا بھر میں مشہور ہو گیا۔ اسی نظام کی وجہ سے ایشیائی معاشرہ عظیم کامیابیوں سے ہمکنار ہوا۔ ہمیں درس نظامی کے نظام کو اپنانا ضروری تھا، اس لیے کہ اس نے علم کے شعبوں میں ہزاروں ماہرین علوم و فنون کو پیدا کیا"۔

درس نظامی بنیادی طور پر کلاسیکل اسلامی علوم مثلاً: تفسیر قرآن، روایت حدیث، فقہ، بلاغت، عربی گرامر اور منطق و علم الکلام وغیرہ کی نصابی کتب (Text Books) پر مشتمل ہے۔ تاہم اس نصاب میں اسلامی تاریخ اور یہاں تک کہ ملکی و بین الاقوامی اسلامی تحریکات کے مطالعہ کو اہمیت نہیں دی گئی تھی۔

تجدید کی ناگزیر ضرورت:

اٹھارہویں صدی میں مشرق کی دینی درس گاہوں کے لیے تیار کیا گیا درس نظامی کا نصاب تعلیم تقریباً تمام مکاتب فکر میں آج بھی اسی خدوخال میں قدرے ترمیم کے ساتھ رائج ہے۔ بغیر کسی بڑی تبدیلی یا خاطر خواہ اصلاحات کے ایک دائمی اسلامی نصاب تعلیم کے طور پر آج بھی برصغیر کے مرکزی مدارس میں درس نظامی کو ہی پڑھایا جا رہا ہے۔ طالب علموں کو ان کے علمی و ادبی ذوق یا صلاحیت کے موافق مضامین یا کتابوں کو منتخب کرنے سے بھی محروم رکھا جاتا ہے۔

جدید سماجی، سائنسی اور عصری علوم تو درکنار، مدارس میں مذہبی مباحث کو بھی اس انداز میں نہیں پڑھایا جاتا جس سے دور جدید میں پیدا ہونے والے مسائل کا حل پیش کیا جا سکے۔ روایتی علما و

مدرسین اور مہتممین اس بات کا پرزور دعویٰ کرتے ہیں کہ درس نظامی کا نصاب ہر دور کے لیے قابل نفاذ ہے، اور اس لیے اس میں کسی جزوی تبدیلی کی بھی ضرورت نہیں۔ مگر عالمی حالات اور بین الاقوامی مسائل تو چھوڑیں، ملکی تناظر میں بھی فضلاے مدارس کی علمی قیادت قابل اطمینان نہیں ہے۔ ارباب بست وکشاد کا کہنا ہے کہ چوں کہ اسی قدیم نظام و نصاب تعلیم نے ماضی میں ماہر اسلامی علما، فقہا اور متکلمین پیدا کیے ہیں، لہٰذا حال اور مستقبل میں بھی اس کا نتیجہ ایسا ہی ہوگا۔ بعض کے خیال میں تو جو شخص بھی درس نظامی میں تبدیلی کا مطالبہ کرتا ہے وہ یا تو گمراہ ہے یا مدارس کے خلاف کوئی سازشی کردار ادا کر رہا ہے۔

مناظرہ سے مکالمہ کی طرف:

المیہ یہ ہے کہ ہندوستانی و پاکستانی مدارس کا موجودہ نصاب تعلیم مذہبی، مسلکی اور مشربی اختلافات اور دیگر نزاعی مواد سے مملو اور اسلامی تعلیمات کے اخلاقی و روحانی حسن سے خالی ہے۔ ماضی میں جس خوبصورت اسلامی درسیات کو ہندوستان کے صوفیاے کرام نے اپنے مواعظ اور مکاتیب کے ذریعہ سے مرتب کیا تھا، جو اس وقت بعض مدارس کے تعلیمی نصاب میں شامل تھیں، وہ بھی اب عصر حاضر کے دینی مدارس کے نصاب سے غائب ہیں۔ وہ خوبصورت علمی نکات، اخلاقی مواعظ اور روحانی غذا خال خال ہی کہیں ملے گی۔ یہاں تک کہ آج سنی صوفی عقیدہ کے دعویدار مدارس میں بھی کشف المحجوب، فوائد الفؤاد اور عوارف المعارف جیسی کتب تصوف شامل درس نہیں۔ اب وہ دن بھی چلے گئے جب شیخ سعدی کی گلستاں اور بوستان جیسی دانائی، حکمت اور اخلاقی اقدار کی تعلیم دینے والی کتابیں ہندوستانی مدارس کے نصاب کا حصہ تھیں[1]۔ دین و امت کا وسیع ترین اسلامی تصور پیش کرنے کی بجاے مدارس اسلامیہ کے موجودہ نصاب کا مقصد اب طالب علموں کو صرف اپنے ہی فقہی مذہب، اعتقادی مسلک اور خانقاہی مشرب کی واقفیت تک محدود در کھنا رہ گیا ہے۔

اس پس منظر میں مدرسہ ڈسکورس (Madrasa Discourse) نے علماے اور فارغین مدارس کے لیے ممکنہ علمی تجربہ کے طور پر ایک جدید اسلامی نصاب پیش کیا ہے۔ یہ کورس ان کے اذہان و عقول کو اسلامی روایات کی روح کے ساتھ جدید کثیر ثقافتی معاشرے میں پرامن بقائے باہم کے اخلاقی خطوط پر ہموار کرتا ہے۔ قرآن وسنّت کے ثابت شدہ اصولوں کی مکمل پاسداری اور اسلاف و اساطین امّت کی علمی روش کی ہم آہنگی کے ساتھ علما کی نسل نو کے افکار کی تشکیل میں بیش بہا دانشورانہ وسائل فراہم کرتا ہے۔

امام غزالی کے اخلاقی و روحانی اصول (احیاء علوم الدین)، امام شاطبی کے مقاصد شریعت (الموافقات فی الشریعہ)، ابن خلدون کے تاریخی جواہرات (مقدمہ ابن خلدون) اور اسلامی فلسفہ، علم الکلام اور اخلاقیات Ethics کے دیگر تاریخی دستاویزات جن میں آفاقی اسلامی اقدار کا حسن عیاں ہے، اس جدید اسلامی درسیات کا اہم حصّہ ہیں۔

Madrasa Discourse کے ڈائریکٹر پروفیسر ابراہیم موسیٰ کہتے ہیں کہ یہ ایک عہد ساز علمی منصوبہ ہے جس کا بنیادی مقصد "روایتی اسلامی افکار اور معاصر سائنسی اور فلسفیانہ عالمی نظریات کے درمیان ہم آہنگی قائم کرنا" ہے۔ راقم الحروف سے گفتگو کرتے ہوئے پروفیسر موسیٰ نے کہا کہ فارغین مدراس کو معاصر انسانی اقدار، سائنس اور سماجی سائنس کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور ان موضوعات کا مطالعہ انہیں بحیثیت ماہر علوم اسلامیہ ہی نہیں بلکہ اپنے بنیادی مطالعہ کے طور پر کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سے وہ موجودہ دور میں اسلام کی نفع بخش تعبیر وتشریح پیش کرنے کے قابل بن سکیں گے۔

لیکن یہ مقصد ایک ایسے اصلاح شدہ تعلیمی نصاب کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا ہے جو علما کو ان کی فقہی اور سائنسی معلومات میں اضافہ کر کے قدیم دانشورانہ روایت کو اپڈیٹ کرنے کے قابل بنا سکے۔ اس کے پیش نظر اس پروگرام کو علما کی جدید دانشورانہ تاریخ میں نشاۃ ثانیہ کی طرف ایک قدم کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

جب راقم نے پروفیسر موسیٰ سے مدرسے کی تعلیمی اصلاحات کی نوعیت کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے جواب دیا: "اگرچہ ہندو پاک میں مدارس کی تعلیم میں بہترین اصلاحات کے لیے جو معیار ضروری ہے، آج اس کی تکمیل بمشکل تمام ہو پارہی ہے۔ لیکن مدارس کی اصلاحات کے اس تجرباتی منصوبے میں ہم نے ان محیر العقول

تجربات کا مشاہدہ کیا ہے جو متعدّد فارغین مدارس نے حاصل کیے ہیں۔انہیں ذہنی وعلمی طور پر ایک چیلنج در پیش ہے اور اپنی کمیونٹی میں لیڈر بننے کے لیے جو ضروری صلاحیتیں ہیں انہیں حاصل کرنے میں وہ 'جوہر قابل' ثابت ہو رہے ہیں۔"

بدقسمتی سے آج علومِ اسلامیہ کے روایتی ماہرین خود کو جدید معاشروں میں واضح رہنمائی فراہم کرنے کے قابل نہیں پاتے، کیوں کہ اسلامی فقہ سے متعلق قرون وسطی کی ان کی تعبیر وتشریح آج بے اثر ہو چکی ہے۔اس بات کو سمجھے بغیر کہ تاریخ کس طرح معاشرے اور افراد کو تبدیل کرتی ہے، علما عالمی مسلم برادری کے رہنما کس طرح بن سکتے ہیں؟

میں نے یہ سوال پروفیسر مہان مرزا کے سامنے بھی پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر مدارس کے طلبہ معاصر دانشورانہ افکار کو سمجھنے اور برتنے کے لیے اس موقع کا بخوبی استعمال کریں، تو اس سے ان کے اندر ایک آفاقی شعور بیدار ہو جائے گا- بالفرض اگر وہ مرکزی حیثیت نہ بھی حاصل کر سکیں تب بھی، ایک مرتبہ پھر مسلم معاشرے کی روزمرہ زندگی میں بہتر رہنما اور مصلح کی حیثیت سے اسلامی روایات کو افادیت بخش بنا کر پیش کر سکیں گے۔ انہوں نے مزید کہا: "مجھے لگتا ہے کہ مدارس کے تعلیمی نظام کو ان مختلف تصوراتی آفاق سے طلباء کو روشناس کرانے کی ضرورت ہے جن کے دروازے آج ہمارے لیے سائنس اور فلسفہ نے کھول رکھے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مدارس کے طالب علموں کے اندر وہ طرز فکر پیدا کی جائے جس کی اسلام کی کلاسیکی علمی روایت میں کوئی جگہ نہ ہو۔بلکہ اسلامی افکار کی تجدید قدیم و جدید علوم و تجربات کے ساتھ حقیقی آگہی کے نتیجے میں بتدریج ہوگی۔***

---

(۱) **بفضلہ تعالیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے موجودہ نصاب میں گلستاں، بوستاں اور تصوف کی دیگر اہم کتابیں بھی شامل ہیں۔ کمپیوٹر اور انگریزی تعلیم بھی باضابطہ داخلِ درس ہے۔ موصوف کو توجہ سے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا موجودہ نصاب تعلیم بغور پڑھنا چاہیے، بہرحال موصوف کی تحریر اہمیت کی حامل ہے، مگر ادارے کا اس تحریر سے صد فیصد متفق ہونا ضروری نہیں۔(از: مبارک حسین مصباحی)**

(ص:۱۴/ کا بقیہ)...ایک وقت ایسا آئے گا کہ آپ کو آپ کے بولنے کی وجہ سے دنیا میں جانا جائے گا۔ لوگ آپ کے بولنے کے انداز کو کامیابی کا زینہ سمجھ کر نقل کریں گے۔آپ کے بولے ہوئے کو کسی تصدیق سے کم نہیں جانیں گے

خودشناسی :

میں کافی عرصہ سے لیکچر، تقاریر، نقابت، تحریر، تحقیق کی فیلڈ سے وابستہ ہوں۔میں نے دنیا میں کامیاب لوگوں میں ایک چیز مشترک دیکھی اور وہ یہ تھی کہ انھوں نے خود کو پہچان لیا تھا۔انھوں نے جان لیا تھا کہ وہ کون ہیں؟اور کیا کر سکتے ہیں؟ چنانچہ جب self discovery کے مرحلہ سے گزرتے تو راستے ہموار ہوتے چلے گئے۔ایک وقت ایسا آیا کہ ان میں سے کوئی جابر بن حیان بنا، کوئی ابن الہیثم بنا، کوئی البیرونی، کوئی ایڈیشن، کوئی بل گیٹس، کوئی عبدالقدیر تو کوئی قاسم علی شاہ، کوئی قیصر عباس، کوئی سندیپ مہاشوانی، کوئی جاوید چوہدری تو کوئی کسی اور نام سے جانا گیا۔انھوں نے دنیا کو دریافت کرنے سے پہلے انھوں نے فن کی باریکیاں سیکھنے سے قبل، انھوں نے فیلڈ چننے سے قبل خود کو دریافت کر لیا تھا۔ چنانچہ پھر اپنی دریافت سے دنیا میں عزت، شہرت، منصب کے بڑے بڑے عہدوں پر نہ صرف فائز ہوئے بلکہ دوسروں کو بھی کامیابی کے گُر بتانے لگے۔برائے کرم خود کو دریافت کریں۔ خود شناسی پیدا کریں۔ نتائج جلد ہی آپ کے سامنے آجائیں گے۔میں موٹیویشنل ٹرینر ضرور ہوں۔لیکن آپ میرے اپنے ہی ہیں۔لمبی لمبی دلیلیں اور لمبی کہانیاں نہیں سنا رہا سیدھی اور صاف باتیں کر رہا ہوں، تاکہ کامیاب ہو سکیں۔آپ کامیاب ہوں گے تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔آپ کا نام ہوگا تو ڈاکٹر ظہور احمد دانش کو اپنی کامیابی محسوس ہوگی۔وجہ صرف ایک ہی ہے کہ میں نے اپنے استادوں سے یہی سیکھا ہے۔اچھا سوچو۔اچھا بتاو اور اچھا کرو۔

آپ کو کسی بھی کیریئر پلاننگ، سیلف ڈیویلپمنٹ، کمیونیکیشن سکلز کے حوالے سے ہماری مدد درکار ہو۔آپ ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ہمارا مشن بکھرے ہوؤں کو سمیٹنا، پریشان حالوں کی دادرسی، علم کے طلب گاروں کی معاونت اور اچھا زندگی اور شفاعت بھری آخرت کے حصول کے لیے کوشش ہے۔ڈاکٹر ظہور احمد دانش کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے گا۔

☆☆☆

آر ایس ایس ،بی جے پی کا ڈی این اے انگریزوں سے ملتا ہے

مولانا محمد ظفر الدین برکاتی

> 'پھوٹ ڈالو، حکومت کرو' کی پالیسی انگریزوں کی ہے جس کے تحت وہ ہندوستان پر پوری ایک صدی بعد تک قابض رہے، گائے کاٹنا بھی، انگریزوں کا طریقہ ہے اور مسلمانوں کو مجرم قرار دینا برٹش انڈیا کی وِکٹورین پالیسی ہے جس پر آج بی جے پی عمل کر رہی ہے

شباب وکباب، زوال پذیر قوموں کی ثانوی فطرت کا حصہ ہے لیکن انگریزوں کی یہ فطری ضرورت ہے ،اس لیے بھی انھیں ۱۷۹۹ء میں مجاہد آزادی ٹیپو سلطان کی شہادت پر خوشی ہوئی تھی کہ اب تجارت و حکومت کے ساتھ شباب وکباب پر ہماری مخالفت کرنے والا ختم ہو گیا۔اس کے بعد ۱۸۳۸ء میں انھوں نے کلکتہ میں پہلا قتل خانہ بنوایا تاکہ گائے کے گوشت کا مزہ لینے میں آسانی ہو پھر جب کوئی بھی روکنے اور ٹوکنے والا نہ رہا تو ہندوستان کے پانچ بڑے شہروں میں بھی بوچڑ خانے (Slaugter House) بنائے گئے جہاں بھینس بھینسا کم اور گائے بچھڑے زیادہ کٹنے لگے۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے سوامی دیانند سرسوتی نے آریہ سماج غالباً ۱۸۷۰ء میں بنایا، تاکہ گائے کشی کے خلاف تحریک چلا سکیں۔ ان کی اس تحریک کو ہندوستان کے دیگر مذاہب کے ساتھ مسلم سماج بطورِ خاص چشتی سلسلے کے مشائخ اور مریدین کی حمایت بھی حاصل ہو گئی۔

یہ دیکھتے ہوئے ۱۸۹۴ء میں ملکہ وِکٹوریہ نے اپنے گورنر لینس ڈاؤن کو خط لکھا کہ اِس وقت ہندوستان میں ہندو مسلم ، سکھ، عیسائی ، بدھشٹ اور پارسی سبھی گائے کے قتل عام کے خلاف متحد کھڑے ہیں۔ ان کو ایک دوسرے کے خلاف جنگ میں جھونک دینا ہماری حکومت کی بقا و ترقی کے لیے ضروری ہے۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہندوستان کے سبھی بوچڑ خانوں میں مسلمانوں کو ملازمت دو، اُن کو معاشی طور پر گائے کے قتل خانوں سے جوڑ دو پھر ہندوؤں کو دِکھاؤ کہ گائے مسلمان کاٹتے ہیں ، ہم نہیں۔وِکٹوریہ کی یہ سازش کامیاب ہوئی اور ہندوستان میں تاریخ کا سب سے پہلا ہندو مسلم فساد ۱۸۹۴ء میں ہوا جس کی آگ پھیلتی چلی گئی اور پورا دیش اس آگ کی زد میں آگیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کی آزادی اور گائے کی حفاظت کی تحریک سرد پڑ گئی اور پیچھے رہ گئی جب کہ ہندو مسلم تناؤ کا مسئلہ ایک خطرناک فرقہ وارانہ مسئلہ بن گیا۔

آج بی جے پی گائے کے نام پر ہندو مسلم فساد کر کے حکومت چلانے کی وہی سیاسی پالیسی اپنا رہی ہے جس پر انگریز پورے ساٹھ سال چلتے رہے اور ہندو مسلمانوں کو لڑاتے رہے۔اتفاق یہ ہے کہ اُس وقت بھی برہمنوں کی سرپرستی میں دلت ہندو، مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا، اُن کے سراپ (بددعاؤں) سے بچنے اور خوش نصیب بننے (وردان لینے) کے لیے اپنے آپ کو مسلمانوں کی جان و مال، آبادی اور عزت و آبرو کا دشمن بنایا لیا تھا، اور آج بھی بی جے پی کے برہمن واد سے گمراہ ہو کر گئو رَکشک بنا آتنک واد مچا رہا ہے ،فرق صرف اتنا ہے کہ آج انگریز نہیں اور انگریزوں کی حکومت نہیں لیکن انگریزوں نے بھارت کے برہمنوں کو چھوٹی ذات کے ہندوؤں کو ظلم و تشدد سے کام لینے کی جو تربیت دی تھی، اسی کی روشنی میں آج بی جے پی اپنا سیاسی کاروبار چلا رہی ہے جس کی بنیاد بقول ایک مودی بھکت کے ویر ساور کرنے ڈالی تھی حالاں کہ ویر ساور کرنے کہا تھا کہ گائے کی پوجا کرنا، انسان کی تذلیل ہے اور اُس کا پیشاب پینا انسانیت کی توہین۔

بی جے پی کی انگریزوں کی پالیسی دوستی کا دوسرا پہلو بھی بڑا دلچسپ ہے کہ انگریزوں نے ہندو مسلم فساد کر کے بھارت پر حکومت کرنے کی صرف یک نکاتی سیاسی پالیسی اپنائی تھی جسے ہم "گئو پولیٹکل پروجیکٹ" کہہ سکتے ہیں لیکن بی جے پی اُن کا باپ دادا نکلی کہ اس نے پنج نکاتی G5 کی

پالیسی کواپنایا ہے، گیتا، گنگا، گاندھی، گجرات اور گائے کی پالیسی یعنی بی جے پی آر ایس ایس کے "ہندوتوا پولیٹکل پیکیج" کا حصہ صرف گائے نہیں بلکہ چار دوسری چیزیں گیتا، گنگا، گاندھی اور گجرات بھی ہیں لیکن گائے کی وجہ سے دونوں کاڈی این اے ایک ہے۔

گئو رکشا کے نام پر نہتوں اور بے قصوروں پر ہجومی حملوں کے حوالے سے کانگریس پارٹی کی "گلابی کرانتی" پر تبصرہ سے متعلق مودی جی کے خطاب کا دفاع کرتے ہوئے مرکزی وزیر کرن رج جیو نے ۳۱ جولائی کو پارلیمنٹ میں خلاصہ کیا کہ یہ ہجومی حملہ کانگریس کی دین ہے۔ اگر کانگریس کا ماننا ہے کہ یہ جمہوریت کا خون اور دستور ہند کی توہین ہے تو پھر اُس نے اپنے دورِ حکومت میں اس پر قانونی پابندی کیوں نہیں لگایا؟

دستوری نکتہ یہ ہے کہ یہ کام ریاستوں کا داخلی مسئلہ ہے کہ وہ قانون کی بالا دستی کے لیے امتناعی قانون بنا کر لاگو کریں۔ اسی لیے آج ہماری حکومت نے ریاستوں کے وزرائے اعلیٰ کو لکھا ہے کہ وہ اپنے طور پر تحقیقات کر کے اِس پر کارروائی کریں لیکن کانگریس نے تو یہ بھی نہیں کیا، صرف اس لیے کہ ہندو ووٹ بینک کا بیلنس خراب نہ ہو۔ ہمارے وزیر اعظم نے تو اس کے خلاف آواز بھی بلند کی ہے لیکن کانگریس کے کسی بھی وزیر اعظم نے اس کی مذمت نہیں کی۔

ہم سمجھتے ہیں کہ کرن رج جیو کے اِس بیان میں سچائی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کانگریس نے بھی گیتا، گائے اور گاندھی کا سیاسی فائدہ اٹھایا ہے اور در پردہ آر ایس ایس کی "گئو پولیٹکل پالیسی" کی جڑیں مضبوط کی ہیں۔ حالاں کہ اس کے دورِ حکومت میں بھی راجیو دِکشت، شنکر آچاریہ اور آریہ سماج کے سوامی جی جیسے بہت سے غیر مسلم مذہبی اور سیاسی لیڈر بھی کہتے رہے ہیں کہ گائے کُشی اور گئو ہتیا مسلمانوں سے جڑا مسئلہ نہیں اور مسلمانوں کو گئوکُشی کے خلاف قانونی پابندی پر کبھی کوئی اعتراض نہیں رہا لیکن کانگریس نے ہندو مسلم ووٹ بینک کی سیاست کے تحت در پردہ اس کی پشت پناہی کی ہے اور آر ایس ایس کے گئو بھکتوں کی پرورش کرتی رہی ہے جو، آج بی جے پی کے G5 پولیٹکل پیکج کا حصہ بنے ہوئے ہیں۔ اِس طرح کانگریس بھی برابر کی شریک ہے لیکن ابھی وہ سیاسی زندگی کی جنگ میں اُلجھی ہوئی ہے اور بے دودھ کی گائے بن چکی ہے، اس لیے دودھاری گائے کی بات کرتے ہیں۔

چند سالوں پہلے ہندو سماج کے معروف و مقبول مقرر ڈاکٹر راجیو دِکشت نے ایک اجتماع میں واضح کیا کہ ہماری تحقیق یہ ہے کہ گائے کے قاتل مسلمان نہیں بلکہ ہمیشہ ہی بھارت کی سرکار گائے کاٹتی رہی ہے۔ فرق یہ ہے کہ پہلے انگریزی سرکار نے یہ گناہ اپنے لیے کیا، کیوں کہ وہ ہمارے ہی دیش میں تھے اور آج بھارت سرکار کاٹتی ہے اُن کو ان کے دیش میں بھیج کر پروسنے کے لیے۔ راجیو دِکشت نے کہا کہ حیرت ہوتی ہے کہ انگریزی دورِ حکومت میں گوشت کی جتنی کھپت تھی اُس سے کئی گنا زیادہ آج بھارت سرکار باہر بھیجتی ہے۔ مطلب گائے کاٹنے والوں کا پرانا رِشتہ ہے انگریزوں سے اور مزاج بھی ملتا جلتا ہے کیوں کہ گناہ کر کے الزام مسلمانوں پر رکھنے کا طریقہ بھی انگریزوں سے سیکھا ہے جس کا تازہ ثبوت یہ ہے کہ باہر بھیجنے والی گوشت کی ساری کمپنیاں اور قتل خانے ہندو بھائیوں کے ہیں لیکن ان کے نام مسلمانوں اور عربوں کی طرح ہیں جیسے النور، الکبیر۔ یہاں بھی وِکٹورین پولیسی کا نمونہ دیکھ لیں۔

راجیو دِکشت نے کہا کہ بھارت میں نام کے گئو بھکت جو بھی کہیں لیکن کچھ گجرات، الور میوات، بیکانیر، جیسل میر، باڑ میر (راجستھان) میں ہم نے دیکھا ہے کہ یہاں ہندو سے زیادہ مسلمان گائے پالتے ہیں، دودھ، دہی اور گھی کا کاروبار کرتے ہیں اور ان کے علاقوں میں قصائی محلہ بھی نہیں بلکہ ان کو گائے کاٹنے پر ہماری طرح دکھ ہوتا ہے۔

اسی طرح کی گواہی بہت سے مشہور ہندو عالموں اور لیڈروں نے دی ہے، اسی لیے آج آر ایس ایس اور بی جے پی کی نظر میں ایسے لوگ کھٹکتے ہیں اور بی جے پی اُن کو سیکولر مانتی ہے یعنی خود بی جے پی کی نظر میں سیکولر ہندوستانی وہ ہے جو اُن کی ہاں میں ہاں نہ ملائے اور جو اُن کی حمایت نہ کرے جب کہ وہ ہندو بھی دیش بھکت نہیں جو دلتوں اور مسلمانوں کے مفادات اور حقوق کی بات کرے۔ یہاں بھی برہمن واد کے ترجمان آر ایس ایس اور بی جے پی کا ڈی این اے انگریزوں سے مل جاتا ہے کیوں کہ وہ بھی ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب اور "ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی بھائی بھائی" کا نعرہ لگانے کو سرکار کی غداری کہتے تھے۔

ابھی دہلی میں جنتر منتر پر ۵ سال سے گئو رکشا کے لیے قانون بنانے کا مطالبہ کرنے احتجاج پر بیٹھے سروَدلیہ گئو رکشا منچ کے (یوا) جنرل سکریٹری نے ایک نیوز چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ جو گائے کو مارے وہ انسان نہیں، یہ سب سیکولر بھارتیہ لوگوں کی سازش ہے جو ہمیں گئو ہتیارا، ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ غور کریں کہ اس نے سیکولر اُسے کہا جو گئو رکشا کے نام پر ہو رہے آتنک واد کی مخالفت کرے۔

اب گائے اور بڑے جانوروں کے گوشت کی بات کرتے ہیں،

آپ کو معلوم ہے کہ بڑے کے گوشت پر کئی صوبوں میں پابندی ہے البتہ بڑے جانوروں کی خرید وفروخت پر لگی پابندی کو سپریم کورٹ نے روک لگادی ہے اور پابندی بھی ابھی صرف یوپی میں لگی ہے۔ حالاں کہ سرکاری رپورٹ کے مطابق آج بھی پورے دیش میں سب سے زیادہ گوشت کی پیداوار یوپی میں ہو رہی ہے اور کھپت بھی یوپی میں زیادہ ہے۔ پورے دیش میں ۴۰ فیصد پیداوار صرف یوپی میں ہوتی ہے پھر آندھرا پردیش، مہاراشٹر، گجرات اور پنجاب (وغیرہ) کا نمبر آتا ہے۔

یہاں بات سمجھنے کی یہ ہے کہ جب یوپی کے ۶۰ فیصد بوچڑ خانے اور ۹۰ فیصد ”غیر قانونی“ گوشت کی دکانیں بند ہیں تو پھر ۴۰ فیصد پیداوار کہاں ہو رہی ہے اور کھپت کدھر ہو رہی ہے؟ یہ بات وشو ہندو پریشد کو بھی ہضم نہیں ہو رہی ہے، اسی لیے اس نے بی جے پی کو ”گؤ مانس پارٹی“ کا سرٹیفکیٹ دیا ہے اور مہاراشٹر کے ایک وی ایچ پی لیڈر نے کہا ہے کہ در اصل گائے ہی بی جے پی کا سیاسی ہتھیار ہے، زندہ یا مردہ۔ بی جے پی کہیں ووٹ کے لیے گائے کو مرواتی ہے اور کہیں غریبوں سے لیے قرضوں کی ادائیگی کے لیے گائے کاٹتی ہے اور باہر بھیج کر کالے دھن کو سفید کرتی ہے۔ قارئین پریشان نہ ہوں کیوں کہ مودی جی کی نظر میں ”غریب“ کا مطلب وہ نہیں جو، ہم سمجھتے ہیں۔ بی جے پی کی ڈکشنری میں Garib کا معنی یہ ہے: جی اے سے گوتم اڈانی، آر آئی سے ریلائنس انڈسٹریز اور بی سے بابا رام دیو۔ اُسے آپ اِس طرح بھی یاد رکھ سکتے ہیں:

GA-Gutam Adani, RI-Relince Industries, B-Baba Ram dev

وی ایچ پی کے ایک دوسرے لیڈر نے جی ایس ٹی سے بجلی، پیٹرول اور شراب کو آزاد رکھنے کی وجہ سے بی جے پی کے اِن محسنوں کو ”غریب“ کہا ہے کیوں کہ رئیل اسٹیٹ میں کالا دھن لگا ہوا ہے، شراب کی تجارت میں نیتاؤں کا سرمایہ لگا ہوا ہے، پیٹرولیم انبانی گروپ کا ہے اور بجلی اڈانی گروپ کی ہے، اس لیے یہ سب جی ایس ٹی کی قید سے آزاد ہیں۔ اب یہ سوال غلط تو نہیں کہ ”کس احسان کے بدلے ”ان غریبوں“ کا خیال رکھا جا رہا ہے؟

وی ایچ پی کے علاوہ بھی کئی ہندو تنظیموں نے یو ایس ڈی اے (امریکہ) کی سروے رپورٹ آنے کے بعد بی جے پی پر کئی سوال کھڑے کیے ہیں۔ ان کو سمجھنے اور بھنانے کی ضرورت ہے۔ رپورٹ کے مطابق بھارت کے اندر گزشتہ سالوں کے مقابلہ میں اپریل ۲۰۱۷ء میں ۲۴ لاکھ ۵۰ ہزار میٹرک ٹن تک گوشت کی پیدوار ہو رہی ہے جس میں اکتوبر تک ایک لاکھ ۵۰ ہزار ٹن کے مزید اضافہ کی امید کی جارہی ہے جب کہ ۲۰۱۳ء میں بڑے جانوروں کے گوشت کی کھپت ۲۰ لاکھ میٹرک ٹن تھی اور آج اپریل ۲۰۱۷ء میں ۲۰ فیصد اضافہ کے ساتھ ۲۴ لاکھ میٹرک ٹن تک پہنچ گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کھپت بھارت میں نہیں، اس لیے کہ مسلمانوں کی ۹۰ فیصد گوشت کی دکانیں بند ہیں اور پرائیویٹ بوچڑ خانے بھی اکثر بند ہو چکے ہیں تو پھر کھپت کہاں ہو رہی ہے؟ تو اُسے بھی رپورٹ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ بیرونی ممالک میں گوشت برآمد کرنے والے دیشوں میں بھارت ابھی سب سے آگے ہے۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یوپی میں بیف پر پابندی اور گوا میں بیف فراہم کرنے والی ”گؤ مانس پارٹی“ ہی بیرون ممالک گوشت سپلائی کر رہی ہے۔ اِس صورت حال پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ماحولیات وجنگلات کے مرکزی وزیر ہرش وردھن نے اعتراف کیا ہے کہ باہر کے دیشوں میں بڑے جانوروں کے گوشت سپلائی کرنے اور یہاں پابندی لگانے کی وجہ سے بھارت کے چڑیا خانوں میں گوشت خور جانوروں کی مشکلیں بڑھ گئی ہیں۔

گزشتہ تین سالوں میں ملک کے مختلف چڑیا گھروں میں ۱۷۳ شیروں کی موت اگر چہ اِس کی وجہ سے نہیں ہوئی لیکن وقت پر گوشت کی غذا نہ ملنے کی وجہ سے دوسری بیماریوں کے سبب ضرور ہوئی ہے اور اِس بات کی دقت سب سے زیادہ یوپی کے چڑیا خانوں میں ہے لیکن اب یہ دِقت نہیں ہونے دی جائے گی۔ اندازہ کریں کہ گائے کی سیاست اور گائے کی پوجا، دونوں کتنی خطرناک ہیں۔

اور یہ گائے بھی عجیب مخلوق ثابت ہو رہی ہے کہ اُس نے تاریخ کا رخ ہی موڑ دیا ہے جس نے قوم موسیٰ کو میدان تیہ میں پریشان رکھا، اورآج اسی گائے کے نام پر یہودی، فلسطین میں مسلمانوں کو پریشان کر رہے ہیں۔ در اصل یہودی عقیدے کے مطابق فلسطین کے خطے میں ”بغیر دھبے والی گائے“ پیدا ہو چکی ہے جس کو دوسرے ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے وقت نظر انداز کر دیا گیا، نتیجے میں تیسرا ہیکل تعمیر ہونے سے رہ گیا لیکن اب تیسرے ہیکل سلیمانی کے لیے اس ”لال گائے“ کو قربان کیا جائے گا پھر اس کو جلانے کے بعد اس کی راکھ سے تعمیری رسوم ادا کیے جائیں گے۔ وہاں صہیونی

گائے (افسانوی) فلسطینی مسلمانوں کو پریشان کر رہی ہے اور یہاں بھارتیہ گئو، ہندوستانی مسلمانوں کی وطن دوستی پر فرقہ پرستی کی سیاہی پوت رہی ہے۔ یہاں بھی دیکھ لیں کہ پریشان کن گائے والی قوموں کا ڈی این اے بھی مل رہا ہے، شاید اسی لیے آر ایس ایس بی جے پی کی اسرائیل سے آج کل دودھ بھائی کا رشتہ ناطہ چل رہا ہے اور فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ سوتیلے بھائی کا سلوک کیا جا رہا ہے۔

دوسری طرف گائے کے نام پر ہونے والے جان لیوا دانستہ حملوں کے خلاف بولنے والوں کا نظریاتی ڈی این اے بھی اپنے ملاپ کا رنگ دِکھانے لگا ہے جس کی فطرت میں انسانیت ہے اور انسانی جان ومال کے تحفظ کا خیال ہے۔ سپریم کورٹ کے ایک سینئر وکیل (سکھ) سرب جیت سنگھ نے آر ایس ایس انگریزی ڈی این اے کی یکسانیت کے حوالے سے کہا ہے کہ گئو رکشا کے نام پر فرقہ پرستوں کی غنڈہ گردی نے انگریزوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ ان کا اقدام سیکولرزم اور جمہوریت کا قتل ہے اور آزاد ہند کے آئین کی توہین ہے۔ انڈین کونسل کے صدر نریش گپتا نے کہا ہے کہ یہ فرقہ پرست "ہندو راشٹر" نہیں بلکہ "برہمن راشٹر" بنانے کا خواب دیکھ رہے ہیں جس کو برہمن زدہ دلت اور پچھڑی ذاتی کے ہندو سمجھ نہیں پا رہے ہیں۔ افسوس ہے کہ برہمن واد نے پہلے بھی ان کو استعمال کر کے انہیں پر ظلم ڈھایا ہے اور آج بھی ان کی ناسمجھی کا فائدہ اٹھا کر ان کو ماضی کی تاریکیوں میں لے جا رہے ہیں۔

ایک دوسرے دلت لیڈر نے گپتا جی کے اِس نہلے پر دہلا، یوں لگایا ہے کہ برہمن واد کی وجہ سے ہی دلت آج ناخواندہ اور مذہبی طور پر جذباتی ہے۔ حالاں کہ دلتوں کے پیشوا ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر نے ان کو مخاطب کر کے بہت پہلے اُن کو جتا دیا ہے کہ مہا بھارت کہتی ہے کہ شدر، راجا نہیں بن سکتا۔ گیتا کہتی ہے کہ انھیں ویشیہ، برہمن اور چھتریہ کی غلامی کرنا چاہیے۔ رامائن کہتا ہے کہ اسے علم حاصل کرنے پر سزا ملنی چاہیے۔ وید کہتا ہے کہ وہ برہمن کے پیروں سے پیدا ہوا ہے، اس لیے وہ نیچ ذات ہے۔ منوا سمرتی کہتی ہے کہ شدر کا کمایا دھن، برہمن کو چھین لینا چاہیے۔ پر ان کہتے ہیں کہ وہ صرف غلامی کے لیے جنم لیتا ہے۔ رام چرت مانس کہتا ہے کہ شدر کو مارنا پیٹنا دھرم ہے۔ اِس کے باوجود تم لوگ عجیب ہو کہ ان انتہا پسند فرقہ پرستوں کی دھارمک کتابوں کو سینے سے لگائے پھرتے ہو۔ اُن کے سراپ (بددعا) سے ڈرتے ہو، ان کے وردان (انعام) کی امید رکھتے ہو، حالاں کہ یہ سب تمھاری بھول ہے۔

پچھلے دنوں ہم نے یوٹیوب پر اسی موضوع پر ایک دلت مقرر کا خطاب سنا کہ برہمن واد کل بھی ہمارے لیے سنکٹ تھا، آج بھی سنکٹ ہے اور آنے والے کل میں بھی سنکٹ ہی رہے گا۔ اس لیے اِس سنکٹ سے جتنی جلدی مکتی پالو، بھگوان کو پالوگے۔ ان کو بھگوان کا پرتیندھی (نمائندہ) سمجھنا، منشیہ (انسان) کی بدھی (عقل) کا اپمان ہے اور یہ برہمن اِس بدھی اور مانوتا، دونوں کی توہین کو اپنا دھرم سمجھتے ہیں اور جس کا یہی دھرم ہو، وہ دیوتاؤں کا نمائندہ ہو ہی نہیں سکتا۔ گائے بھی ان کا صدیوں سے جذباتی ہتھیار بنی ہوئی ہے جس کو ہم نے "ماتا" کا درجہ دے رکھا ہے۔ یہ سب ہماری بدھی (عقل) کا اپمان ہے، وہ صرف ایک جانور ہے جس کو بھگوان نے انسان کی ضرورت کے لیے بنایا ہے کہ مانو ذات (انسان) اس کا دودھ پی کر صحت مند رہے، دہی کھا کر پیٹ کا ہاضمہ درست رکھے اور گھی کھا کر بدھی کو بڑھائے لیکن یہاں بدھی ہی بھرسٹ ہے تو کیا کریں۔ ہمارے سماج کا انسان کوئی غلطی اور جرم کرتا ہے تو تھوک چاٹ کر معافی مانگ لیتا ہے لیکن جب ایک انسان بھگوان کی پراکرتک (قدرتی) رچناؤں میں تین پانچ کرتا ہے تو اُسے گائے کا پیشاب پینا پڑتا ہے لیکن دلت ہیں کہ آستھا کی اُنتی (ترقی) سمجھ کر گائے کا پیشاب پیتے ہیں اور اَن پڑھ ہونے کی وجہ سے یہ نہیں سوچتے سمجھتے کہ قدرتی نظام میں نظریاتی اور عملی طور پر کچھ ادھر اُدھر ضرور کیا ہے جس کی یہ سزا مل رہی ہے اور ملتی رہے گی جب تک برہمن واد کو نہ سمجھ لے۔

اسی برہمن واد کی ترجمان سیاسی جماعت بی جے پی کا پولیٹکل پیکج G5 ہے جس کو آستھا کا جذباتی مسئلہ بنا کر بی جے پی ووٹ کے لیے استعمال کر رہی ہے اور بہت حد تک کامیاب ہے جب کہ اس کے پاس ویژن کے نام پر آج ٹیلی ویژن کے سوا کچھ نہیں جیسے انگریزوں کے پاس بھی اپنی تجارت کے سوا ہندوستانیوں کے لیے کوئی ویژن نہیں تھا۔

کامیابی کی ایک مثال یہ ہے کہ مذہبی جذبات کے نام پر ہندو سماج کو اُس نے اتنا گمراہ کر رکھا ہے کہ بھارت میں آج جانور (گائے) کو مارنے پر پھانسی اور عمر قید کی سزا دی جا رہی ہے لیکن انسانوں کو قتل کرنے، پیٹ پیٹ کر مار ڈالنے اور جلا ڈالنے پر اقتدار کی کرسی ملنے لگی ہے۔ انتظامیہ، عدلیہ اور پریس بھی اِس گمراہی کا شکار ہے۔ سائنس کی

ترقی کے اِس دور میں بھی جانوروں کو بھگوان ماننے کا عقیدہ اور آستھا اِس طرح زندہ ہے کہ دیش کے کئی شہروں میں مری ہوئی گائیں روڈ کے کنارے پڑی رہتی ہیں، سڑتی ہیں، کتے انھیں نوچ نوچ کر کھاتے ہیں، نہروں اور ندیوں میں مری ہوئی گائیں تیرتی ہیں جن کو چیل کوے نوچ نوچ کر کھاتے ہیں، یہ سب ہندوتوا، کی آستھا کو نقصان اور ٹھیس نہیں پہنچاتا لیکن اخلاق کے گھر میں گائے کا گوشت اور پہلو خان کی بیل گاڑی میں پالتو گائے نظر آجاتی ہے۔ یہ دھرم اور آستھا نہیں، خالص تشدد ہے اور کھلی دہشت گردی کی واضح مثال ہے۔

مگر افسوس کہ اِس دہشت گردی کے سامنے سب کی زبانیں گنگ ہیں، ایک عجیب طرح کا خوف ہے جو، اندر سے آئین ہند کے طرف داروں کو بے حس بنائے جا رہا ہے۔ حالاں کہ ہمیں معلوم ہے کہ آر ایس ایس یا کسی بھی فرقہ پرست تنظیم و تحریک کی سازش یا خواہش ہمیں مٹا نہیں سکتی البتہ ہماری اپنی نادانی اور بے عقلی ہمیں ضرور ہرا سکتی ہے جو ہمیں کسی بھی قوم کے مقابلہ میں زیر کر سکتی ہے۔ ہمارا اصل مسئلہ نادانی ہے، کج فہمی ہے، آپسی رنجش اور چپقلش ہے اور ہمارا حال آج وہی ہو گیا ہے جو دورِ زوال میں یہود کا ہو گیا تھا، جس کی نشاندہی کرتے ہوئے یہود کے ایک پیغمبر ہبک کوک (Habakkuk) نے انھیں خبردار کیا تھا کہ "خدا تمھارے اوپر نادانی کو انڈیل دے گا، تمھارے درمیان کوئی دانا آدمی نہ ہوگا جو تمھارے مسائل کو حل کر سکے۔"

آر ایس ایس کے اِس G5 پولیٹکل پروجیکٹ کے تحت ہندوستانی مسلمانوں کے درمیان اِن دنوں ایک بات یہ پھیلائی جا رہی ہے کہ آر ایس ایس مسلمانوں کو دلتوں سے پیچھے دھکیل دینا چاہتی ہے بلکہ مسلم سیاست داں اور علمائے کرام بھی بولنے لگے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو دلتوں سے بدتر پوزیشن میں پہنچا دینا چاہتی ہے اور سچر کمیٹی کی رپورٹ بطورِ ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ یہ بات ہندوؤں کے درمیان آر ایس ایس کے لوگ پھیلا رہے ہیں اور مسلمانوں کے درمیان بیوقوف لوگ اِس بات کو عام کر رہے ہیں۔ اگر واقعی آر ایس ایس کا یہ منصوبہ ہے تو کیا یہ منصوبہ قابل عمل بھی ہے؟ اِن مرعوب احباب کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمانوں کو دلتوں سے پیچھے دھکیلنے کے لیے سارے ہندوؤں (ایک سو کروڑ) کو ایک ہی جست میں خوش حال اور مالدار بنانا پڑے گا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آر ایس ایس کی حمایت یافتہ مودی حکومت کے لیے کہ وہ تمام ہندوؤں کو چند دِنوں میں بھی خوش حال بنا دے؟ کیا ملک کی معیشت اِس کی اجازت دے گی؟ اسرائیل اور عالمی طاقتیں اس کا عملی طور سے حمایت اور تعاون کریں گی؟ سچائی یہ ہے کہ ایک سو کروڑ ہندوؤں کو خوش حال بنانے کے لیے کم سے کم پچاس سال تک سب کچھ حکومت، ملک و سماج اور تجارت و معیشت کے مفاد میں ہونا چاہیے کہ ملک میں امن و امان بھی قائم ہو، ملک کو عالمی طاقتوں کی حمایت بھی حاصل ہو۔ کم سے کم ۵۰ سال تک کوئی داخلی یا خارجی چیلنج نہ ہو لیکن آپ جانتے ہیں کہ خود بی جے پی حکومت بھی ایسا منصوبہ نہیں بنا سکتی کیوں کہ یہ ممکن نہیں؟

در اصل آج کی معاملاتی دنیا اِس قدر آپس میں منضم و مدغم ہے کہ سب کا مفاد سب سے جڑا ہوا ہے۔ آج کسی بھی ملک کے لیے عملاً یہ ممکن نہیں کہ وہ یک طرفہ اپنے لوگوں یا اپنی قوم کو خوش حال بنا لے، تھوڑی دیر کے لیے مان لیتے ہیں کہ بی جے پی - آر ایس ایس کی حکومت ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئی کہ وہ آئندہ پچاس سالوں میں سارے ہندوؤں کو خوش حال بنا دے گی تو مسلمان کس طرح پچھڑ جائیں گے؟ کیوں کہ جب خوش حالی کا دریا بہے گا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے دروازے سے کٹ کر گزر جائے؟ تو پھر ظاہر ہے کہ جب پورا ملک خوش حال ہو جائے گا تو مسلمانوں کی بدحالی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن مودی بھکت سمجھ رہے ہیں کہ اب مسلمانوں کی حالت بدتر ہونے والی ہے کیوں کہ دیش میں آج ان کے آقاؤں کی حکومت ہے جنہوں نے ان سے ایسا وعدہ کیا ہے، اسی لیے مودی بھکت بی جے پی کے لیڈر، جذباتی ہندوؤں میں یہ گمراہی پھیلا رہے ہیں جس کو سن کر ہمارے چند لوگ بھی مرعوب ہو کر ان کی سطحی باتوں سے مسلمانوں کو بھی گم راہ کیے جا رہے ہیں۔

دوسری سچائی یہ ہے کہ مسلمانوں کا موازنہ دلتوں سے نہیں کیا جا سکتا، اگرچہ سچر کمیٹی دونوں کی سیاسی اور معاشی حالت کے یکساں ہونے کی وکالت اور تصدیق و تائید کر رہی ہے۔ کیوں کہ مسلمان ایک عالمی کمیونٹی ہیں۔ ساٹھ ممالک میں مسلمان اکثریت میں ہیں اور حکومت کرتے ہیں جن کی مالی اور تجارتی حمایت سے غیر مسلم ممالک بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان دنیا کے زیادہ تر ممالک میں بڑی اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں جب کہ دلت صرف ہندوستان میں رہتے ہیں اور بھارت کے دلتوں کی زمینی صداقت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہندو ضرور بتاتے ہیں لیکن یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ اعلیٰ ذات

کے ہندو انھیں ہندو نہیں مانتے۔ بابا بھیم راؤ امبیڈکر کے بیان سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔

البتہ یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ بلا شبہ تاریخی طور پر دلت ہندوستان کے اصلی باشندے ہیں۔ آریائی قوم کی ہندوستان میں آمد سے بھی پہلے وہ یہاں حکومت کیا کرتے تھے لیکن جب سے آرین قوم نے انھیں زیر کیا، تب سے آج تک یعنی گزشتہ تین ہزار سالوں میں بحیثیت قوم وہ کبھی ابھر نہیں سکے اور آج کے دلت چاہے کتنا بھی پڑھ لکھ جائیں، برہمن واد کے سامنے آخر کار گھٹنے ٹیک دیتے ہیں کیوں کہ وہ نظریاتی طور پر برہمن واد کے غلبہ کو تسلیم کر چکے ہیں اور یہ نظریاتی غلامی ان کی گھٹی میں گویا پلا دی گئی ہے بلکہ یوں کہہ لیجیے کہ نظریاتی طور پر برہمن واد کے مقابلہ میں اپنی ہار تسلیم کر چکے ہیں اور جب تک وہ اپنی اس نظریاتی ہار کو جیت میں تبدیل نہیں کر لیتے تب تک وہ بحیثیت قوم اپنا سر نہیں اٹھا سکتے۔ حالاں کہ یہ صحیح ہے کہ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر، ان کے مہاتما جیوتی با پھولے اور سیاسی قائد کانشی رام جیسے بڑے دلت رہنماؤں نے دلتوں کو برہمن واد کے غلبہ سے نکالنے کے لیے بڑی کوششیں کی ہیں، تاہم دلت سماج اب بھی اس غلبہ سے نجات حاصل نہیں کر سکا ہے۔ دلت ابھی تک اپنی شناخت، اپنی تہذیب اور اپنے مذہبی رسوم کو دریافت نہیں کر سکے ہیں۔ یہ دلت سماج کی سب سے بڑی کمزوری ہے اور یہی کمزوری انھیں بحیثیت قوم ابھرنے نہیں دے رہی ہے۔

لیکن یہی بات مسلمانوں کے حوالے سے صحیح نہیں کیوں کہ مسلمان پوری دنیا میں اپنی تہذیبی اور نظریاتی شناخت کے ساتھ رہتے ہیں۔ وہ معاشی طور پر بھلے ہی کہیں کمزور پڑ جائیں لیکن نظریاتی طور پر کہیں کمزور ثابت نہیں ہوتے۔ اس لیے مسلمانوں کو دلتوں سے پیچھے دھکیلنا نہ حکومت کے بس میں ہے اور نہ ہی آر ایس ایس کے بس میں۔ یہ ان کا خواب اور اُن کی خواہش ہو سکتی ہے لیکن یہ خواب اور خواہش بے جا ہے جو، انھیں ہمیشہ پریشان کرتی رہے گی۔

اب یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آخر آر ایس ایس کے لوگ یہ کیوں کہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو دلت سے پیچھے دھکیل دیں گے، تو شاید اِس لیے، کیوں کہ انھیں لگتا ہے کہ ان کے ایسا کہنے سے دلت خوش ہو جائیں گے اور وہ اپنے آپ کو ہندوازم کا حصہ بنانے پر راضی ہو جائیں گے اور یہی حقیقت ہے لیکن اُن کا یہ کہنا دراصل پولرائیزیشن کی ایک حکمت اور کوشش ہے جس کے ذریعہ وہ دلتوں میں پیدا ہونے والی تہذیبی، شناختی، سماجی، معاشی اور سیاسی بیداری کو روک دینا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ دلت مسلمانوں سے ٹکرا جائیں جیسا کہ اپنے دورِ حکومت میں انگریز کرتے رہے ہیں اور یہ ہمیشہ ممکن نہیں کہ دلت اور مسلم ٹکراتے رہیں۔

ہاں! ہمارے لیے آج یہ ضروری ہو گیا ہے کہ جس سے ہمارا ڈی این اے ملتا ہے، اس کی روِش پر ہم چلیں اور غافل نہ رہیں کہ انگریزوں کا ڈی این اے ابھی کام کر رہا ہے جن سے ہمارے اکابر نے وطن عزیز ہندوستان کو آزاد کرایا ہے۔ ہمارے مجاہدین آزادی نے جس طرح ”انگریزوں بھارت چھوڑو“ کا نعرہ لگایا تھا، اسی طرح ہم بھی آج ”آر ایس ایس بھارت چھوڑو“ کی تحریک شروع کریں۔

رہی بات ملکی اور عالمی سطح پر موجودہ حالات میں مسلمانوں پر ظلم وستم ہونے کی تو قانونی اور جمہوری طور پر یہ صحیح ہے کہ جان بوجھ کر ہمارے ساتھ سوتیلا سلوک کیا جا رہا ہے اور سیاسی طور پر قیادت کے فقدان، انتظامیہ اور سرکاری ملازمتوں میں ہماری انتہائی ناقص نمائندگی اور معاشی کمزوری کی وجہ سے ہم نظر انداز کیے جا رہے ہیں اور عدلیہ سے بھی مایوسی ہو رہی ہے کہ مجرم بری کر دیے جا رہے ہیں، گویا۔

قاتل کی یہ دلیل منصف نے مان لی
مقتول خود گرا تھا چاقو کی نوک پر

لیکن حقیقت یہ ہے کہ

ایک تصویر تھی جو مٹا دی گئی
یہ غلط ہے مسلمان، مارا گیا

ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

امیٹھی (یوپی) میں

مولانا مہدی حسن مصباحی

مدرسہ سیدہ آمنہ للمومنات، نزد امن ٹینٹ ہاؤس

مقام و پوسٹ موہن گنج، امیٹھی (یوپی)

اورنگ آباد (بہار) میں

اپ ٹو ڈیٹ ٹیلر، نواڈیہہ روڈ، اورنگ آباد، بہار

فکر و نظر

عید الاضحیٰ: حقیقت اور پیغام

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ہم اربابِ قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔از: مبارک حسین مصباحی

اکتوبر ۲۰۱۷ء کا عنوان — کربلائے عصر اور ہماری ذمہ داریاں

نومبر ۲۰۱۷ء کا عنوان — قرآن عظیم اور احادیثِ نبویہ سے بیک وقت تین طلاق کا ثبوت

عید الاضحیٰ، خواہشاتِ نفسانی کی قربانی کا دن

از: مولانا پیر محمد تبسم بشیر اویسی۔ نارووال، پاکستان

اسلام دین فطرت اور ماننے والوں کے لیے پیغام محبت والفت ہے۔اس کے اصول و ضوابط اور قوانین و اطوار ایسے پسندیدہ وہمہ جہت ہیں جو بیگانوں کو یگانہ اور ناآشناؤں کو آشنا کرنے کے ساتھ ساتھ ایسے کر دیتا ہے جیسے دو جسم یک جان ہوں۔احکامات اسلام پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ اسلام کا منشا یہی ہے کہ بنی آدم ایک دوسرے سے لاتعلق نہ رہیں۔یہ اپنی ہی ذات میں گم نہ ہوں۔بلکہ افراد مختلفہ ملت واحدہ بن کر کلمۂ واحدہ پر جمع ہو جائیں تاکہ ایک خدا، ایک رسول ،ایک ہی قرآن ،ایک ہی کعبہ پر ایمان رکھنے والے ظاہر بین نگاہوں میں بھی ایک ہی سطح پر متحد و متفق اور ایک دوسرے کے بہی خواں نظر آئیں اور دنیا والے اس اتحاد معنوی میں کوئی اختلاف ظاہری محسوس نہ کر سکیں۔اسلام میں اہل محلہ میں محبت و اتحاد پیدا کرنے اور اسے ان میں قائم دائم رکھنے کے لیے پنجگانہ نمازوں کے وقت،اہل محلہ کی مسجد میں جمع ہو کر نماز ادا کرنا واجب کیا گیا ہے۔ اہل شہر میں محبت و تعلقات بڑھانے کے لیے ہفتہ میں ایک بار ان کا جامع مسجد میں اکٹھا ہو کر نماز جمعہ ادا کرنا ضروری ولازمی ٹھہرایا گیا ہے تو ضروری تھا کہ شہری باشندوں بلکہ قرب وجوار کے رہنے والوں میں تعارف و تعلق اور محبت و شناسائی قائم کرنے اور مستحکم رکھنے کے لیے بھی کوئی اہتمام کیا جائے۔ جبکہ عالم اسلام میں رابطۂ دین کو مستحکم و مضبوط کرنے کے لیے مختلف ملکوں کے اشخاص کو دین واحد کی وحدت میں شامل ہونے کے لیے عمر بھر میں ایک بار ان تمام مسلمانوں پر جو وہاں جانے کی استطاعت رکھتے ہیں حج کعبۃ اللہ فرض کیا گیا ہے۔تو اہل شہر اور دیہات قرب و جوار میں اسی شناسائی اور مودت و محبت اور تعلق کو پیدا کرنے کے لیے سال میں دو بار عیدین کی نماز کو لازم قرار دیا ہے۔ہر دو موقعوں پر دیہات والے شہروں کی طرف آتے ہیں اور شہر والے شہر سے باہر نکل کر ان سے ملاقات کرتے اور سب مل جل کر عبادت الٰہی ادا کرتے ہیں۔

ابوداؤد شریف میں روایت ہے حضور نبی اکرم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے اس زمانہ میں اہل مدینہ سال میں دو دن (مہرگان۔نیروز) خوشی کرتے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا دن ہیں ؟ لوگوں نے عرض کی ”جاہلیت میں ہم لوگ ان دنوں میں خوشیاں منایا کرتے تھے۔فرمایا:”اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے ان سے بہتر دو دن تمہیں دیے۔ عید الفطر، عید الاضحیٰ اسلام نے ان ایام میں تجمل و زیب و زینت اور رکھ رکھاؤ کو تو باقی رکھا۔البتہ زمانۂ جاہلیت کی رسم و رواج۔لہو ولعب اور کھیل کود میں وقت کے ضیاع کو ختم کر دیا اور جشن کے ان ایام کو خدائے بزرگ و برتر کی اجتماعی عبادت کے ایام بنا دیا تاکہ ان کا یہ تجمل و اجتماع یاد الٰہی سے غفلت میں بسر نہ ہو۔ایک طرف اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لیے دنیاوی فرحت و انبساط کے

اہتمام کی اجازت دی تو دوسری طرف ان کے لیے بندگی کے دروازے کھول دیئے تاکہ یادِ الٰہی سے بھی غافل نہ رہیں اور اسلامی برادری سے شناسائی کے مواقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

غرض اسلامی تہوار بھی لہو و لعب اور ہنگامہ آرائی کے ذریعے نہیں بلکہ دوسری تمام اقوام سے اس اعتبار سے منفرد ہیں کہ وہ فرحت و نشاط کا ذریعہ بھی ہیں اور وحدت و اجتماعات اور ایثار قربانی و اجتماعی عبادتوں کا وسیلہ بھی۔ عید کی نماز مدینہ منورہ میں آکر قائم ہوئی لیکن جس سال آپ تشریف لائے اس سال نہیں بلکہ ۲ھ میں اس کا قیام عمل میں آیا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ عید کی نماز رمضان المبارک کے روزوں کے تابع ہے اور رمضان شریف کے روزے ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوئے اور عید کہتے ہیں اس خوشی کو جو بار بار لوٹ کر آئے۔

ہم عید کیوں مناتے ہیں؟ معزز قارئین! جب کوئی خطہ یا علاقہ کسی ظالم حکومت کے تسلط سے آزاد ہوتا ہے تو جس دن آزادی کی نعمت ملتی ہے اس ملک کے لوگ اس تاریخ کو ہر سال یادگار کے طور پر جشن مناتے ہیں یا جب کوئی طالب علم امتحان میں کامیابی حاصل کرتا ہے تو جشن اور خوشی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ماہ رمضان المبارک کی رحمتوں اور برکتوں کا تو جواب نہیں یہ وہ صاحب عظمت مہینہ ہے جس میں بنی نوع انسان کی فلاح و کامیابی اور اصلاح و بہتری کے لیے ایک ”نورانی دستور“ یعنی قرآن حکیم نازل ہوا۔ یہی وہ ماہ مقدس ہے جس میں مسلمان کی حرارت ایمانی کا امتحان لیا جاتا ہے۔ پس زندگی کی کامیابی کے لیے بہترین دستور العمل حاصل کر کے اور ایک ماہ کے سخت امتحان میں کامیاب ہو کر ایک مسلمان کا خوش ہونا فطری عمل ہے اسی خوشی کا نام ”عید“ ہے۔

انعام کی رات: (۱) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار مدینہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص پانچ راتوں میں شب بیداری کرے اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ ذی الحجہ شریف کی ۸-۹-۱۰ ویں، شعبان المعظم کی ۱۵ ویں رات اور عید الفطر کی رات۔“

(۲) سرور دو عالم ﷺ کا فرمان مبارک ہے: ”جس نے عیدین کی رات (یعنی شب عید الفطر اور شب عید الضحٰے طلب ثواب کیلئے) قیام کیا اس دن اس کا دل نہیں مرے گا۔ جس دن لوگوں کے دل مرجائیں گے۔ (ابن ماجہ)

یوم عید شیطان کی مایوسی: حضرت سیدنا وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یوم عید آتا ہے۔ شیطان چیخ چیخ کر روتا ہے۔ اس کی ناکامی اور رونا دیکھ کر تمام شیاطین اس کے گرد جمع ہو کر سوال کرتے ہیں کہ تجھے کس چیز نے غمناک اور اداس کر دیا؟ وہ کہتا ہے ہائے افسوس! اللہ تعالیٰ نے آج کے دن اُمت محمد ﷺ کی بخشش فرمادی لہٰذا اب تم انہیں لذتوں اور خواہشات نفسانی میں مشغول کر دو۔
(مکاشفۃ القلوب)

یوم عید اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ: معزز قارئین! عید اس کی نہیں جس نے نئے کپڑے پہن لیے حقیقت میں تو عید اس کی ہے جو عذاب الٰہی سے ڈر گیا۔ ہمارے اسلاف و بزرگانِ دین نے عید کی خوشی عبادات کی قبولیت کیساتھ مشروط فرمادی۔ جیسا کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگ عید کے روز کاشانہ خلافت پر حاضر ہوئے تو کیا دیکھا کہ امیر المومنین دروازہ بند کر کے زار و قطار رو رہے ہیں لوگ حیرت زدہ ہو کر سوال کرتے ہیں کہ یا امیر المومنین! آج تو عید کا دن ہے اس دن خوشی و شادمانی ہونی چاہیے اور آپ خوشی کی جگہ رو رہے ہیں؟ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ھذا یوم العید وھذا یوم الوعید۔ اے لوگو! یہ دن عید کا بھی ہے اور یہ دن وعید کا بھی۔ آج جس کے نماز روزے اور عبادات رمضان قبول ہوگئیں بلا شبہ اس کے لیے آج عید کا دن ہے اور جس کی عبادات رمضان مردود ہوگئیں اس کے لیے آج وعید کا دن ہے اور میں اس خوف سے رو رہا ہوں کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں مقبول ہوا یا رد کر دیا گیا ہوں۔ معزز قارئین! سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشرہ مبشرہ سے ہیں مگر خوف الٰہی سے رو رہے ہیں اور ایک ہم ہیں شکر کی بجائے خرافات میں مبتلا ہیں۔

حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یوم عید: اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بندوں کی ادائیں ہمارے لیے موجب صد درس عبرت ہیں۔ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام ولیوں میں بڑا بلند و بالا ہے مگر ہمارے لیے آپ کیا چیز چھوڑ گئے۔ آپ فرماتے ہیں: لوگ کہتے ہیں کل عید ہے! کل عید ہے! اور سب خوش ہیں لیکن میں تو جس دن اس دنیا سے اپنا ایمان محفوظ لے کر گیا میرے لیے وہی دن عید کا دن ہوگا۔ غریبوں کے والی پہ لاکھوں سلام: یوم عید جہاں خوشی اور اپنے احتساب کی تعلیمات ہمیں سنت رسول ﷺ اور عمل سلف صالحین سے ملتی ہیں وہاں سرکار مدینہ ﷺ نے اس دن غرباء و مساکین کا خیال رکھنے کا

بھی ہمیں حکم دیا ہے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید قربان کے دن ہمیں خطبہ دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے ہمیں آج کے دن نماز پڑھنی چاہیے۔ پھر لوٹ کر قربانی کرنی چاہیے ۔ جس نے ایسا کیا اس نے سنت پر عمل کیا اور جس نے ہماری نماز پڑھنے سے پہلے ہی ذبح کر لیا تو وہ قربانی گوشت کی بکری ہے جس کو اس نے اپنے گھر والوں کے لیے جلدی سے ذبح کر لیا ہے۔ قربانی نہیں۔

(مسلم شریف)

قربانی دین اسلام کے شعائر میں سے ہے ۔ یہ ایک ایسا فریضہ ہے جو بارگاہِ رب العزت میں انتہائی مقبول ہے کیونکہ قربانی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حضور بندہ اپنی جان و مال کا نذرانہ پیش کر کے در حقیقت اپنے جذبہ عبودیت کا اظہار کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو بڑا ہی پسند ہے کیونکہ توحید باری تعالیٰ کا سب سے بڑا تقاضہ یہی ہے کہ انسان کی محبت کا محور صرف ذات باری تعالیٰ ہو اس کی جان نثاری ، اس کی عبادت غرض کہ اس کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اسی طرح انسان کے مال و جان کی قربانی بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ لیکن انسان اپنے ابتدائی دور ہی میں زندگی کے اس مقصد سے دور ہو گیا۔ شیطان نے صراطِ مستقیم سے اسے بھٹکا دیا اس کی سوچ کو محسوسات کا گرویدہ کر دیا اور اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈال دیا کہ تو بن دیکھے خدا کو کیوں مانتا ہے ؟ چونکہ حضرت انسان خدائے واحد کی پوجا کو چھوڑ کر مظاہر فطرت اور اپنے ہاتھ سے تراشیدہ بتوں کے آگے جھکنے لگا۔ اپنی محبت ، عجز و نیاز ، عقیدت اور ایثار و قربانی انہی بتوں کے لیے مخصوص کر بیٹھا۔ آخر اللہ تعالیٰ کو اپنے تخلیق کردہ انسان پر رحم آیا اور اس نے مختلف اوقات میں اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو مبعوث فرمایا کہ وہ اہل دنیا کو راہ حق کا درس دیں اور اسی سلسلہ کی آخری ہستی حضور انور سید دوعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ تمھاری ہر طرح کی عبادت اور قربانی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے تاکہ انسان اللہ کے حضور سر بسجود رہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کے نظام عبادت میں ہر لحظہ قربانی کا وجود پایا جاتا ہے یعنی نماز اور روزہ انسانی ہمت اور طاقت کی قربانی ہے۔ زکوٰۃ انسان کے مال و زر کی قربانی ہے۔ حج بیت اللہ بھی انسان کی ہمت ، مال و زر کی قربانی ہے غرض کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں بہت سے تقاضے ایسے ہیں جو انسانی قربانی کے مترادف ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو لاکھوں نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان میں سے ایک عظیم نعمت عید قربان بھی ہے ۔ مسلمان اس عید کے دن تین ایام میں مخصوص جانوروں کو ذبح کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور بطور ہدیہ پیش کرتے ہیں لیکن جب تک ہمیں صحیح طور پر قربانی کے فضائل و مسائل کا علم نہ ہو گا اس وقت تک اطمینانِ قلبی کا حصول ممکن نہیں ۔ اسی عظیم مقصد کے تحت درج ذیل سطور ضبطِ تحریر میں لائی جارہی ہیں۔

قرآن اور قربانی: انسان کی طرح قربانی کی تاریخ بھی بہت قدیم ہے چنانچہ قرآن مجید کی مختلف آیات مقدسہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل امتوں پر بھی لازم تھی ۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل اور قابیل اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانیوں کا تذکرہ قرآن حکیم میں روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

ترجمہ آیت نمبر ۱: " اور ہر امت کے لیے ہم نے ایک قربانی مقرر فرمائی کہ اللہ کا نام لیں اسکے دیئے ہوئے بے زبان چوپائیوں پر"

یعنی مطلب یہ ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر سابقہ تمام امتوں میں سے ہر امت کے لیے قربانی کا ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی قربانیوں پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں۔

ترجمہ آیت نمبر ۲: "اللہ تعالیٰ کو ہر گز ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ ان کے خون۔ ہاں تمھاری پرہیزگاری اس تک باریاب ہوتی ہے۔"

اس آیت مقدسہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر اللہ کے لیے تقوی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کسی جانور کے خون یا گوشت کو قبول نہیں فرماتا مزید برآں یہ تنبیہ ہے کہ جب کسی عمل کی نیت نہ صحیح ہو تو اس عمل کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ترجمہ آیت نمبر ۳: "تو تم اپنے رب کے لیے نماز اور قربانی کرو۔"

مفسر شہیر مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ میں لکھتے ہیں کہ قربانی اسلامی شعار ہے اس کے بدلہ میں قیمت وغیرہ نہیں دی جاسکتی حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ نحر سے مراد قربانی کے اونٹ اور دوسرے جانوروں کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرنا ہے۔

حدیث اور قربانی :

حدیث نمبر ۱: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ دس برس تک مدینہ منورہ میں رہے اور برابر قربانی کرتے رہے۔(جامع ترمذی جلد نمبرا صفحہ نمبر ۲۷۷)

حدیث نمبر۲: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ عید قربان کے دن حضور اقدس ﷺ مدینہ منورہ میں اونٹ یا کسی دوسرے جانور کی قربانی کرتے۔(سنن النسائی صفحہ ۲۰۲)

حدیث نمبر۳: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں گندمی رنگ کے دو مینڈھے ذبح کئے۔(صحیح بخاری جلد نمبر۲ صفحہ ۸۳۵)

حدیث نمبر۴: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہر صاحب نصاب پر سال بھر میں ایک قربانی واجب ہے۔(ابن ماجہ صفحہ ۲۲۶)

فضائل قربانی: دین اسلام میں قربانی کی بے پناہ فضیلت ہے کیونکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جو اللہ کریم کی بارگاہ میں بہت زیادہ قبولیت کا درجہ رکھتا ہے۔اسی بنا پر قربانی کی ضرورت واہمیت کتاب وسنت میں بڑی شد و مد کے ساتھ بیان کی گئی ہے کیونکہ اسلامی معاشرے میں تعمیری طور پر قربانی کے بے شمار فوائد ہیں۔قربانی کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ انسانی افکار میں جذبہ ادائے اطاعت پیدا کیا جائے اسی عظیم جذبہ کے تحت انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ سال میں ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے جانور کو قربان کرے جس سے اس میں حکم خداوندی پر عمل پیرا رہنے کی قوت برقرار رہے۔

الغرض قربانی کے ظاہر فعل سے جو فیوض وبرکات حاصل ہوتے ہیں ان پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

حدیث نمبر۵: حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں۔کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیان فرمایا "اے فاطمہ! کھڑی ہو! اور اپنی قربانی پر حاضر ہو بیشک قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے گوشت اور خون کیساتھ لایا جائے گا اور اسے ستر گنا بڑھا کر تمھارے میزان میں وزن کیا جائے گا حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا: یارسول اللہ ﷺ کیا یہ اجر آل محمد ﷺ کیساتھ مخصوص ہے کیونکہ وہ اس خیر کے اہل ہیں یا آل محمد اور تمام لوگوں کے لیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا بلکہ یہ اجر آل محمد ﷺ اور تمام لوگوں کے لیے ہے۔(کتب احادیث)

قربانی نہ کرنے پر وعید: اگر کوئی قربانی واجب ہونے کے باوجود نہ کرے تو وہ شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا نافرمان ہے۔قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔فصل لربك وانحر۔ترجمہ "اور تم رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔" نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے استطاعت کے باوجود قربانی نہ کی وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔(ابن ماجہ جلد۲ صفحہ ۲۳۲)

قربانی کا حکم: حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام احناف کے نزدیک قربانی واجب ہے۔جس کا ثبوت مندرجہ ذیل حدیث مبارک سے ہو رہا ہے۔روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کیا قربانی واجب ہے؟

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کی اور مسلمانوں نے قربانی کی اس نے پھر سوال کیا تو انہوں نے کہا کیا تم میں عقل ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کی اور مسلمانوں نے قربانی کی۔(جامع الترمذی)

قربانی سنت ابراہیمی: حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ یہ قربانیاں کیسی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تمھارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔آپ ﷺ سے پوچھا گیا ہمارے لیے ان میں کیا اجر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ہے آپ ﷺ سے پوچھا گیا اور خون کے بدلہ میں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہر خون کے قطرے کے بدلہ میں ایک نیکی ہے۔(ابن ماجہ جلد نمبر دوم صفحہ نمبر ۲۳۳)

نماز عید سے قبل مسنون اعمال:

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ تاجدار مدینہ ﷺ عید الفطر کے روز کچھ کھا کر نماز کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ اور عید الاضحیٰ کے روز نہیں کھاتے تھے جب تک نماز سے فارغ نہ ہو جاتے۔(ترمذی، ابن ماجہ)

(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ عید الفطر کے دن چند کھجوریں تناول فرمالیتے اور وہ طاق ہوتیں پھر نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔(بخاری شریف)

(۳) حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ عید کو (نماز عید کیلئے) ایک راستہ سے تشریف لے جاتے اور دوسرے راستے سے واپس تشریف لاتے۔(ترمذی شریف)

آخر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہمیں حقیقی عید سعید کی خوشیاں نصیب فرمائے۔آمین!

عیدالاضحیٰ، حقیقت اور پیغام

از: مولانا محمد عابد چشتی ثقافی، جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف، email: abid.chishti@rediffmail.com

عیدالاضحیٰ کا مہینہ قریب آتے ہی عالم انسانیت میں رونما ہونے والے ایک ایسے حیرت انگیز واقعہ کی یادیں ذہن انسانی پر دستک دینے لگتی ہیں جس کا تعلق دو برگزیدہ اور جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم اور ان کے فرزند ارجمند حضرت اسماعیل علیہما السلام سے ہے جنہوں نے خدائے ذوالجلال کے حضور تسلیم ورضا اور اس کی بندگی کے صحیح اور کامل مفہوم کا وہ عملی نمونہ پیش کیا جسے تاریخ نے قیامت تک آنے والے انسانوں لیے ایک "خدائی پیغام" کی صورت میں ہمیشہ کے لیے اپنے حافظے میں محفوظ کرلیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات مبارکہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے آپ کو بڑی جاں گسل آزمائشوں سے گزرنا پڑا، ایسی آزمائشیں کہ جہاں انسان تو انسان ہیں سخت پہاڑوں کے قدم بھی لڑکھڑا جائیں، مگر ان تمام آزمائشوں کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس طرح اپنے صبر وتحمل اور راضی برضائے الٰہی ہونے کا ثبوت دیا تاریخ میں اس کی مثال بہت مشکل سے ملتی ہے۔

عیدالاضحیٰ جسے ہم "عید قربان" کے نام سے بھی جانتے ہیں در اصل یہ مہینہ آپ کی حیات کے ایسے ہی ایک پہلو کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے جس کا تعلق ایک ایسے زبردست امتحان سے ہے جو آپ سے بحیثیت ایک باپ کے لیا گیا۔ یہ بتانے کے چنداں ضرورت نہیں ہے کہ بیٹے کے حق میں باپ کی محبت اور اس محبت کی انتہا کیا ہوتی ہے اس کا اندازہ ان تمام لوگوں کو ہے جنہیں اللہ نے اولاد کی نعمت سے نوازا ہے، کانٹا بیٹے کے پیر میں چبھتا ہے اور کراہنے کی آواز باپ کے دل سے اٹھتی ہے، باپ خود اپنی زندگی میں ہزاروں تکلیفوں اور مصیبتوں کا خندہ پیشانی کے ساتھ سامنا کرلیتا ہے مگر اپنے بیٹے کی ذرا سی پریشانی بھی اس کے پیمانہ صبر کو لبریز کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے، حضرت ابراہیم منصب نبوت پر فائز تھے یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے مگر ان کے سینے میں بھی ایک باپ کا دل دھڑکتا تھا اس کے باوجود اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کے سلسلہ میں رب کی طرف سے لیے جانے والے امتحانات پر آپ نے جس صبر کا مظاہرہ کیا تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے چنانچہ:

حضرت اسماعیل کی پیدائش کے بعد جب کہ آپ ابھی شیر خوارگی کے مراحل میں تھے اور اپنی ماں کی گود میں اپنی ننھی ننھی اداؤں سے والدین کے دل میں خوشیوں کے پھول کھلا رہے تھے اور جس وقت والدین کے اپنے بچے کے حق میں شفقت ومحبت کے جذبات طبعی طور پر اپنی انتہا پر ہوتے ہیں اسی وقت خدا کا حکم ہوتا ہے کہ اے ابراہیم! اپنے بیٹے اور بیوی کو مکہ کی بے آب وگیاہ وادیوں میں چھوڑ آؤ، ایک ایسا علاقہ جہاں آبادی کے نام پر ایک انسان تک نہ ہو اور دور دور تک صرف پتھریلے پہاڑوں کا خوفناک سلسلہ ہو ایسے وحشت وتنہائی کے عالم میں معصوم بچے کو چھوڑ آنا کس قدر صبر آزما کام ہے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے مگر حضرت ابراہیم نے رب کا حکم پاتے ہی اپنے معصوم لخت جگر اور اپنی بیوی حضرت ہاجرہ کو مکہ لے جا کر اس جگہ چھوڑ دیا جہاں آج آب زمزم کا ابلتا ہوا چشمہ حاجیوں کی پیاس بجھا رہا ہے۔ جب آپ نے کائنات کی ان دو عظیم ہستیوں کو تنہا چھوڑ کر جانے کا ارادہ کیا تو وفادار بیوی کی زبان پر صرف ایک سوال آیا کہ "الیٰ من تکلنا" آپ ہمیں کس کے سپرد کیے جا رہے ہیں؟ حضرت ابراہیم نے جواب دیا "الی اللہ" اپنے پروردگار کے، خدا کا نام زبان پر آتے ہی گویا حضرت ہاجرہ کے ذہن کے تمام شکوک وشبہات اور عورت ہونے کی حیثیت سے بے چینیوں کے تمام بادل یک لخت چھٹ گئے اور آپ کی زبان پر یہ کلمات جاری ہو گئے "اذاً لا یضیعنا" خدا کی رحمت پر بھروسہ ہے کہ وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا، اس مختصر سی گفتگو کے بعد حضرت ابراہیم نے واپسی کی راہ لی اور ان لمحات میں پوری ثابت قدمی کے ساتھ اپنے رب کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔

اگرچہ اپنے اکلوتے بیٹے کو جنگل نما علاقے میں تن تنہا چھوڑ آنا بہت بڑی بات ہے مگر اس میں ایک گونہ تسلی پھر بھی تھی کہ دور سہی بقید حیات تو ہے مگر جب حضرت اسماعیل کی عمر تیرہ برس کی ہوئی اور آپ کے نورانی چہرے کی دلکشی اور موہنی صورت پر والدین کی محبت میں اور اضافہ ہو گیا، اس وقت پھر خدا نے اپنے خلیل سے ایک ایسا امتحان لیا جس کی تاب ہر کسی کے دل میں نہیں ہے چنانچہ حضرت ابراہیم نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کر رہے ہیں،

قرآن کریم میں جس کو یوں بیان کیا گیا ہے

یٰبنیّ انیّ ارٰی فی المنام انیّ اذبحك فانظر ماذا تریٰ (الصّٰفّٰت)

چونکہ انبیاے کرام کے خواب بھی سچے اور برحق ہوتے ہیں جس میں شیطانی آمیزش کی گنجائش ناممکن ہوتی ہے لہٰذا خواب دیکھتے ہی حضرت ابراہیم نے منشائے الٰہی کو سمجھ لیا کہ خدا ان سے ان کے بیٹے کی قربانی چاہتا ہے اور پھر بلا چوں وچرا آپ اپنے لخت جگر کو قربان کرنے لیے تیار ہو گئے مگر ایک مرتبہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے اس سلسلہ میں پوچھ لینا بھی مناسب سمجھا، چنانچہ آپ نے حضرت اسماعیل کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا اور اس سلسلہ میں حضرت اسماعیل کی رائے جاننے کی کوشش کی، اس وقت حضرت اسماعیل جیسے فرمانبردار بیٹے نے جو جواب دیا اسے قرآن میں یوں نقل کیا گیا ہے

یٰابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شآء الله من الصابرین. (الصّٰفّٰت)

آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس کو پورا کیجیے انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ بیٹے کا یہ جواب سن کر حضرت ابراہیم انہیں قربان گاہ کی طرف لے کر چلے، راستے میں شیطان نے تمام ممکنہ حربے استعمال کیے اور حضرت ابراہیم کو اس کام سے روکنے کی بھرپور کوشش کی پھر جب یہاں اسے کامیابی نہ ملی تو حضرت ہاجرہ کے پاس گیا تاکہ ایک ماں کی ممتا کو ہتھیار بنا کر حضرت ابراہیم کو اپنے رب کے اس امتحان میں کامیاب ہونے سے روکا جا سکے مگر حضرت ہاجرہ کے اس جواب نے کہ " اگر رب کی یہی حکم ہے تو اس میں ذرہ برابر اعتراض کا حق حاصل نہیں ہے " شیطانی مکر و فریب کے تمام تار و پود بکھیر کر رکھ دیے اور وہ مایوس ہو کر خائب و خاسر لوٹا۔ حضرت ابراہیم نے تیز دھار دار چھری لی اور اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر حضرت اسماعیل کی گردن پر چلا دی، اسی وقت حضرت جبرئیل کو حکم ہوتا ہے کہ اسماعیل کی جگہ ایک دنبہ کو رکھ دیا جائے حضرت جبرئیل نے ایک جنتی دنبہ لا کر حضرت اسماعیل کی جگہ پر رکھ دیا اور آپ کو وہاں سے ہٹا لیا یوں حضرت ابراہیم اپنی آزمائش میں جسے قرآن کریم " بلائے مبین " سے تعبیر کرتا ہے کامیاب ہوئے اور رب کا شکر بجالائے۔

مندرجہ بالا سطور میں پورے اختصار کے ساتھ عید قربان کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے مگر اصل مقصد عید قربان سے متعلق اس تاریخی واقعہ کو دہرانا نہیں ہے بلکہ اسی کے بین السطور میں تمام امت مسلمہ کے لیے جو " خدائی پیغام " پوشیدہ ہے اس کو سمجھنا اور پھر اسے دائرۂ عمل میں لانا ہی عید قربان کا مقصد اصلی ہے۔

صبر، راضی برضائے الٰہی رہنا، تربیت اولاد اور والدین کا کردار یہ وہ عنوانات ہیں جو ایک پیغام کی صورت میں مندرجہ بالا واقعہ سے ابھر کر سامنے آتے ہیں۔

راضی برضائے الٰہی رہنا :

پریشانی اور مصیبت یہ انسانی زندگی کا ایک ایسا پہلو ہے جو کسی نہ کسی جہت سے ہر شخص کے ساتھ جڑا ہوا ہے مگر بندۂ مومن کی امتیازی خوبی یہ ہے کہ وہ دوسروں کی طرح مصیبتوں اور پریشانیوں پر واویلا نہیں کرتا ہے اور نہ ہی ان مصیبتوں کی تاب نہ لا کر کوئی ایسا قدم اٹھاتا ہے جو اس کے رب کی مرضی کے خلاف ہو اگرچہ اس میں بظاہر اس کا نقصان ہی کیوں نہ ہو بلکہ وہ پریشانی کو " خدائی آزمائش " سمجھ کر قبول کر لیتا ہے اور صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے راضی برضائے الٰہی ہونے کا ثبوت دیتا ہے، مگر اس کے برخلاف آج مسلم سماج میں صبر کا فقدان بڑی تیزی کے ساتھ ہوتا جا رہا ہے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے حلال و حرام تک کا امتیاز مٹتا جا رہا ہے افسوس اس بات کا ہے کہ لوگ بکروں کی قربانیاں تو بہت دھوم دھام سے کر رہے ہیں مگر قربانی کے پیچھے راضی برضائے الٰہی رہنے کا جو پیغام دنیا کو دیا گیا اس کی طرف کوئی اپنی عنان توجہ منعطف کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

تربیت اولاد:

خدا کی راہ میں قربانی کے متعلق پوچھنے پر حضرت اسماعیل نے جواب میں جو کلمات ارشاد فرمائے وہ کلمات لاشعوری یا جذبات کی مغلوبیت کا نتیجہ نہیں تھے بلکہ ان کلمات کے پیچھے حضرت ہاجرہ کی دی ہوئی تربیت کا اثر پوری آب و تاب کے ساتھ دکھائی پڑتا ہے، ظاہر سی بات ہے کہ ایک تیرہ سال کا نوخیز بچہ جسے خود اپنے متعلق کوئی فیصلہ لینے کے لیے دوسروں کی رہنمائی کی ضرورت ہو وہ رونگٹے کھڑے کر دینے والے اپنے والد کے اتنے عظیم فیصلہ پر بلا چوں وچرا سر تسلیم خم کیسے کر سکتا ہے؟ جبکہ اس فیصلہ کا انجام بھی اس کے سامنے ہو، یقیناً اس کے پس پردہ حضرت ہاجرہ کی تربیت کارفرما تھی جنہوں نے بچپن ہی سے اپنے بچے کو راضی برضائے الٰہی رہنے کا سبق دیا اور ایک بات ذہن و دماغ میں اتار دی کہ رب کے حکم پر انجام کی فکر کیے بغیر عمل

پیرا ہو جاؤ دارین کی نجات اسی میں ہے، اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ خدا کا نام آتے ہی حضرت اسماعیل علیہ السلام قربانی جیسے سخت مرحلے سے گزرنے کے لیے بغیر کسی مزاحمت کے فوراً تیار ہو گئے، عید قربان کا یہ پیغام بہت اہمیت کا حامل ہے جس پر عام طور سے روشنی نہیں ڈالی جاتی ہے، والدین کی تربیت ہی بچوں کے اندر دینی جذبات پیدا کرتی ہے، اگر والدین اور خصوصی طور پر ماں کا تعلق دین سے ہے اور وہ خود مذہب سے تعلق رکھتی ہے تو اس کی تربیت کے نتیجہ میں بچوں کے اندر بھی دین سے لگاؤ اور مذہب سے قریب ہونے کا جذبہ پیدا ہونے لگتا ہے اور وہ ایک مومنانہ زندگی گزارنے کو ترجیح دیتے ہیں آج اگر ہماری مسلم ماں اور بہنیں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے اس خاموش کردار کو سمجھ کر اس پر عمل کر لیں تو ہم سوچ بھی نہیں سکتے ہیں کہ یہ کتنے بڑے انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔

والدین کا کردار:

ایک بات اور ہے کہ تربیت کے ساتھ ساتھ والدین کا کردار بھی بچے کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جب شعور و آگہی کی دہلیز پر قدم رکھا اس انہوں نے ماں کی صورت میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور والد کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا جن کی زندگی کا ہر لمحہ صرف اور صرف اپنے خالق حقیقی کی رضا اور خوشنودی کی تلاش میں گزر رہا تھا، جہاں مصیبت و پریشانی اور مسرت و شادمانی ہر موقع پر خدا کے حضور شکر کے سجدے نذر کیے جاتے تھے، والدین کے اس مومنانہ کردار کے سائے میں حضرت اسماعیل پروان چڑھے اور ان کی زندگی خود بخود اپنے والدین کے کردار کے سانچے میں ڈھلتی چلی گئی یہاں تک کہ وہ خود بھی تسلیم و رضا کی اسی منزل پر پہنچ گئے جہاں والدین انہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ اس سے پتہ چلا کہ والدین کا خود کا کردار بچے کے حق میں زبردست طور پر اثر انداز ہوتا ہے اور بچے کی زندگی اپنے والدین کے کردار و عمل کی روشنی میں اپنا رخ طے کرتی ہے، اس لیے والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کو اسلامی مزاج سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کریں اس لیے کہ یہی کوشش بہت خاموشی کے ساتھ ان کے بچوں کے اندر اسلامی جذبہ پیدا کر دے گی۔

خدائے تعالیٰ ہمیں قربانی کا مقصد سمجھنے اور پھر اسی کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

***

(ص:۲۵ کا بقیہ)...

یہ بھی آپ کی روحانیت ہی تھی کہ جن مریضوں کو ہندوستان کے سب سے بڑے ڈاکٹر لاعلاج اور لادوا قرار دے کر زندگی سے مایوس کر دیتے تھے، وہ آپ کے پاس آکر ایک نئی زندگی پا لیتے تھے، یہ آپ پر حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص فیضان تھا۔

سب سے بڑی کرامت یہی تھی کہ زندگی مطابق سنت تھی، اس کے علاوہ حسی کرامتوں کا بھی ظہور ہوا۔ دور اندیش اور نگاہ باطن کے مالک تھے۔ دعا میں بھی بڑا اثر تھا۔ زبان سے نکلی ہوئی دعا مقبول ہوتی تھی۔ ایک مرید کا بیان ہے کہ ہمارے گھر میں ایک تہ خانہ ہے، اس میں سال یا چھ مہینے میں پانی بھر جاتا تھا، ہم بہت پریشان تھے، گھر کی عمارت بھی خطرے میں تھی۔ ایک دن ہماری بیوی نے خواب دیکھا کہ حضرت حکیم صاحب ہمارے گھر تشریف لائے۔ میری بیوی ان سے وہی پریشانی بتانے لگیں۔ آپ اس تہ خانے کے پاس گئے، کچھ پڑھ کر پھونکا، اس کا پانی کم ہو گیا، پھر پھونکا، پانی اور کم ہو گیا، تیسری پھونک میں سارا پانی ختم ہو گیا۔ وہ اپنے خواب سے بیدار ہوئیں، تہ خانہ دیکھا تو اس میں پانی موجود نہ تھا، پھر اس کے بعد کبھی بھی اس میں پانی نہ بھرا۔

وصال پر ملال:

کئی مہینے پہلے آپ کی طبیعت ناساز رہنے لگی، جیسے جیسے وصل حبیب کی گھڑیاں قریب آتی گئیں، علالت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اسی علالت نے مرض الموت کی شکل اختیار کر لی، سلطان الہند خواجہ غریب نواز کی چھٹی شریف کا جشن منا کر ۸/ رجب المرجب ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۶/ اپریل ۲۰۱۶ء کو ۹/ بج کر ۳۰/ منٹ پر اپنے معبود حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رب قدیر ان کی روح کو سکون عطا فرمائے۔ جنت میں ان کے ہم نشینوں میں انھیں سرفرازی نصیب فرمائے۔

ابر رحمت تیرے مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

ماہنامہ اشرفیہ حاصل کریں

مولانا محمد حارث مصباحی
مدرسہ عربیہ فیض العلوم پیرا بنگڑھ، پوسٹ امواباس
وایا جاروا، ضلع بلرام پور (یوپی)
9919309724/9198476391

نقد و نظر

نام کتاب	:	تذکرۂ مخدوم علی مہائمی
مصنف	:	حضرت علامہ مفتی عبدالمجید خاں قادری رضوی مصباحی، بانی وصدر جامعہ رضویہ سنت کبیرنگر (یوپی)
نظرِ ثانی	:	مولانا مظہر حسین علیمی نائب مدیر ماہ نامہ ”سنی دعوتِ اسلامی“
اشاعت	:	مارچ ۲۰۱۵ء
تعداد	:	گیارہ سو صفحات : ۳۸۴
ناشر	:	ادارۂ معارف اسلامی، ممبئی (شعبۂ تصنیفات و تالیفات سنی دعوت اسلامی)
تبصرہ نگار	:	مبارک حسین مصباحی

ہم ممبئی کی سرزمین پر متعدّد بار حاضر ہوئے، اس دوران وہاں کے مشائخ کی درگاہوں پر حاضری کا شرف بھی حاصل ہوا، ایک اہم اور عظیم درگاہ ماہم شریف میں شیخِ طریقت حضرت سیدنا علی فقیہ مخدوم ماہمی قدس سرہ العزیز کی بھی ہے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ آپ بہت بڑے عالمِ ربانی اور قرآن عظیم کے عظیم مفسر بھی ہیں۔ آپ کی تحریر کردہ تفسیر قرآن مجید کی ارد ترجمہ کی بھی دو ایک جلدیں سرسری طور پر دیکھیں، اس کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت نے درجنوں گراں قدر تصانیف تحریر فرمائی ہیں۔ حضرت شافعی مذہب رکھتے تھے، آپ کی حیات پر دو ایک مختصر تحریریں پڑھنے کا بھی اتفاق ہوا، آپ کے تعلق سے ایک عظیم شیخ طریقت اور بلند پایہ مفسر و فقیہ کا تصور تو قائم تھا، مگر ہمارے مطالعہ کی آنکھیں کھلیں جب چند روز قبل ”تذکرۂ مخدوم علی مہائمی“ ۳۸۴ر صفحات پر مشتمل گراں قدر کتاب سامنے آئی۔ اس عظیم الشان سوانحی، تحقیقی اور روحانی کتاب کے مصنف ہمارے کرم فرما بزرگ حضرت علامہ مفتی عبدالمجید خاں قادری رضوی مصباحی ہیں۔ حضرت مصنف دام ظلہ العالی کے کردار و اخلاق، علم و تقویٰ اور فکر و فن سے تو ہم پہلے ہی سے واقف تھے، یہ بھی معلوم تھا کہ آپ لکھتے بھی ہیں، مگر کبھی ان کی کسی باضابطہ تصنیف دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا، پیشِ نظر کتاب کے مطالعے سے نہ صرف حضرت مخدوم علی مہائمی علیہ الرحمۃ والرضوان کے تعلق سے نت نئے جہان سامنے آئے، بلکہ حضرت مصنف کی علمی اور تصنیفی شخصیت نے بھی حد درجہ متاثر کیا، اللہ تعالیٰ دونوں بزرگوں کو مزید نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔

اس وقیع علمی دستاویز کی ”فہرست مضامین“ گیارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ فہرست کے مرکزی عنوانات یہ ہیں:

تاریخِ کوکن، قوم نائط کا نسب و اصلیت، حالات علمائے نوائط و دیگر مشاہیر، مخدوم مہائمی کے حالاتِ زندگی، حضرت مخدوم علی مہائمی کا صوفیانہ مسلک، حضرت محی الدین ابن عربی ایک صوفی مفکر، ولی اور کرامت، کرامات مخدوم علی مہائمی رحمہ اللہ، زیارتِ اولیاء اللہ، حضرت مخدوم مہائمی سنی شافعی تھے، یادگار و آثار، تصنیفاتِ شیخ مہائمی، تفسیر، تاویل اور احتیاط۔ ان مرکزی عنوانات پر حضرت مصنف نے بڑی گراں قدر علمی اور تحقیقی گفتگو فرمائی ہے۔ تاریخی احوال و وقائع پر اندازوں کے بجائے تحقیقی حوالوں سے استخراج کیا ہے، ہر موضوع پر صوفیانہ رنگ غالب ہے اور در اصل یہ موضوع کا حقیقی تقاضا بھی تھا، جس عارف باللہ نے حضرت خضر علیہ السلام کے روبرو زانوے ادب طے کیا ہو اور ان کے فیوض و برکات سے حضرت مخدوم علی مہائمی کی پوری زندگی شرابور ہوں، یہ فیضانِ الٰہی اور رحمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک کامل رخ ہے۔ مسئلۂ وحدۃ الوجود میں حضرت شیخِ اکبر محی الدین ابن عربی کی فکر کے آپ سب سے بڑے علم بردار تھے، آپ کی تصانیف اگرچہ بروقت ۲۱ر عدد دستیاب ہیں، لیکن مورخین نے ان کی تعداد ۱۰۰ر سے زائد رقم فرمائی ہے۔ آپ ایک عظیم محقق، بلند پایہ مصنف اور میدانِ تدریس کے بے تاج بادشاہ تھے، آپ روحانیت کی ان بلند منزلوں پر فائز تھے کہ اس مقام تک نگاہوں کی رسائی میں بڑے بڑوں کی ٹوپیاں گر جاتی ہیں، آپ کے کشف و کرامات کے بھی حیرت انگیز واقعات ہیں۔ آئیے اب اس اجمال کی قدرے تفصیل نوٹ کرتے ہیں۔ حضرت مصنف اپنے قلم سے ”کچھ اپنی باتیں“ میں نوٹ فرماتے ہیں:

> ”اپنے اسلاف کرام کی تاریخوں کو زندہ رکھنا اور ان کے علمی و فکری، اخلاقی و روحانی کارناموں کو یاد رکھنا زندہ قوموں کا شعار اور وقار

ہے، لیکن نویں صدی ہجری کے عظیم بزرگ، اقلیمِ
ولایت کے تاج دار، ماہرِ اسرارِ شریعت، علومِ ربانی
کے بحرِ بے کراں، آفتاب کوکن، حضرت علامہ
قاری قاضی مفتی شیخ علی فقیہ مخدوم مہائمی قدس
سرہ العزیز انسٹھ برس کی مسلسل علمی وفکری، دعوتی
و اصلاحی زندگی کے حق سے سبک دوش ہو کر
روپوش ہوئے، چھ سو برس سے زائد گزر گئے، مگر
ہم سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت اپنے اس عظیم
مذہبی وروحانی رہ نما کا تعارف پیش نہ کر سکے۔"

(ص:۳۲)

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ حضرت مخدوم علی فقیہ ماہمی کی ولادت ۱۰ر محرم الحرام ۷۷۶ھ/۱۳۷۲ء میں ہوئی اور وصال پر ملال ۸ر جمادی الآخرہ ۸۳۵ھ/فروری ۱۴۳۱ء کو ہوا۔ اس بیش قیمت عمر شریف میں آپ نے جو گراں قدر علمی، تاریخی اور یادگار کارنامے انجام دیے، ان کی مثال کم از کم نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

حضرت شیخ مخدوم علی مہائمی قوم نائط سے ہیں۔ یہ نائط قریش کی ایک قوم ہے جو سیدِ عالم ﷺ سے نضر بن کنانہ سے جا ملتے ہیں۔ یہ حضرات مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے، حجاج بن یوسف ثقفی کے عہد میں اس کے ظلم و ستم سے مدینہ منورہ چھوڑ کر بحرِ ہند کے ساحلی علاقوں میں اترے۔ یہ قوم عہدِ حاضر تک اپنے اصول کی بڑی حد تک پابند ہے، عام طور پر باوضو رہتے ہیں، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے سخت پابند رہتے ہیں۔ حسبِ توفیق قرآن عظیم کی تلاوت بھی خوب کرتے ہیں۔ نمازِ جمعہ جامع مسجد میں ادا کرتے ہیں، ان میں کفو کی سخت پابندی رہتی ہے، غیر نائط کو نہ اپنی لڑکی دیتے ہیں اور نہ اس کی لڑکی لیتے ہیں۔

حضرت مصنف نے بڑی محنت سے "حالات علماے نوائط و دیگر مشاہیر" کے احوال نوٹ کیے ہیں، ذیل میں ہم صرف ان کی فہرست پر اکتفا کرتے ہیں:

(۱) نواب ٹیپو سلطان نائطی میسوری (۲) حضرت مولانا حبیب اللہ بیجاپوری نائطی (۳) مولانا حاجی حسین عطاء اللہ نائطی (۴) مولانا حکیم شاہ زین العابدین نائطی (۵) مولانا شہاب الدین محمود نائطی (۶) مولانا شیخ عبد الفتاح نائطی (۷) مولانا عبد القادر شافعی نائطی (۸) مولانا عبد اللہ نائطی (۹) عبد اللہ خاں نائطی چودھری (۱۰) مولانا حاجی عبد الوہاب نائطی (۱۱) شمس العلما مولانا قاضی عبید اللہ نائطی شافعی (۱۲) ملا علی قاری نائطی کوکنی (۱۳) مولانا فخر الدین نائطی ویلوری (۱۴) شاہ محمد حسن علی نائطی عرف ڈولچی شاہ (۱۵) امام المدرسین مولانا محمد حسین الشہید البیدری نائطی (۱۶) مولانا حاجی مفتی محمد سعید خاں نائطی عرف نانا میاں (۱۷) مولانا مولوی حاجی محمد صبغۃ اللہ نائطی (۱۸) مولانا محمد غوث نائطی (۱۹) محمد مخدوم نائطی (۲۰) مولانا شیخ میراں نائطی بارہ ہزاری (۲۱) مولانا نظام الدین احمد صغیر نائطی (۲۲) مولانا نظام الدین احمد کبیر۔

یہ ایک مختصر فہرست ہے حضرت مصنف نے ان شخصیات کے احوال ان کی وسیع تصنیفی اور تبلیغی خدمات بڑی جامعیت کے ساتھ سپردِ قلم کی ہیں۔ ان میں بعض کے کارنامے تو تاریخِ ہند میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، خاص طور پر مجاہدِ آزادی نواب ٹیپو سلطان جیسا بہادر اور شیرِ ہندوستان، ان شخصیات کے مختصر احوال کے بعد حضرت مصنف نے "فیض رساں اولیاو علماے نائطی اور دیگر روحانی مراکز" کے عنوان سے بھی ایک مختصر فہرست نوٹ فرمائی ہے۔

حضرت مصنف نے اس کے بعد "مخدوم مہائمی کے حالاتِ زندگی" رقم فرمائے ہیں۔ حضرت مخدوم ماہمی کے اسلاف ماہم کی بندر گاہ پر اترے، آپ کی ولادت باسعادت بھی مہائم شریف میں ہوئی۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا احمد بن ابراہیم اسماعیل برو نے کلیان میں آپ کی پرورش فرمائی۔ حضرت مولانا مفتی محمد عصمت مصباحی شافعی بوبیرے لکھتے ہیں:

"والد جو کلیان کی خاک سے اٹھے تھے، وہیں
پیوندِ خاک ہو گئے، تو والدہ فاطمہ جو ملک التجار ناخدا
حسین لیکوے کی صاحب زادی تھیں، نورِ نظر کو لے
کر اپنے میکے مہائم میں مقیم ہو گئیں، جہاں کلیان،
سوپارہ اور چیمور کی طرح عربی و عجمی مخلوط النسل
مسلمانوں کی کافی تعداد تھی۔" (ص:۹۳)

آپ کا نام علاؤ الدین اور علی دونوں ہے، آپ کی کنیت ابو الحسن اور لقب زین الدین ہے۔ آپ خاندان نوائط کے قبیلے "برو" سے ہیں، اسی لیے لفظ "برو" آپ کے نام کا جز ہو گیا۔ آپ شافعی مسلک کے بلند پایہ فقیہ تھے، آپ کے والد ماجد شیخ احمد پیر نائطی بہت بڑے

عالم، ولیِ کامل تھے، آپ کا شمار کوکن کے دولت مند تاجروں میں ہوتا ہے۔ آپ کا وصال ۷۸۸ھ/۱۳۸۶ء میں کلیان میں ہوا، آپ کا مزار مبارک بوبل بازار کلیان میں ہے۔ والدِ ماجد کے وصال کے وقت حضرت مخدوم علی مہائمی کی عمر شریف صرف ۱۲؍برس تھی۔

حضرت مخدوم علی مہائمی کی تعلیم و تربیت کے تعلق سے "تاریخِ نوائط" کے مورخ لکھتے ہیں:

> "آپ کے والد ماجد مولانا شاہ احمد قدس سرہ نے اپنے ہونہار صاحب زادے کی طباعی اور ذہانت اور شوقِ اکتسابِ علوم کو دیکھ کر آپ کی اعلیٰ تعلیم کی طرف توجہ فرمائی۔ چوں کہ خود بھی عربی کے بہت بڑے عالم تھے، اس لیے باپ کی توجہ نے بیٹے کو عالم بنا دیا۔ فقہ، منطق، فلسفہ، حدیث وغیرہ علوم کی تحصیل سے بہت تھوڑے عرصے میں آپ فارغ ہو گئے۔" (ص:۱۰۱)

بظاہر آپ کی تعلیم مہائم میں نہیں بلکہ کلیان میں ہوئی، اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ آپ کو مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کا اضطراب تھا، آپ قدس سرہ العزیز نے مزید حصولِ علم کے اشتیاق کا ذکر اپنی والدہ ماجدہ سے کیا اور حصولِ علم کے لیے بیرونی سفر کرنے کی اجازت طلب فرمائی، محترمہ والدہ ماجدہ نے قدرے تامل فرمایا اور اس کے بعد اپنی محبت کے اظہار کے بعد فرمایا، اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے، غیب سے حصولِ علم کے وسائل پیدا فرمادے گا جس سے تمھاری علم کی تشنگی دور فرمادے گا۔ والدہ ماجدہ نے رات کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں الحاح و زاری کے ساتھ دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نیک بندی کی دعا قبول فرمائی۔ حضرت مخدوم علی مہائمی نمازِ فجر کے بعد حسبِ عادت تفریح کے لیے سمندر کے کنارے تشریف لے گئے، وہاں دیکھا کہ سمندر کے کنارے ایک بلند پتھر پر ایک نورانی صورت بزرگ جلوہ افروز ہیں۔ آپ ان سے قریب ہوئے، سلام پیش کیا، انھوں نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ جواب دیا اور بڑے وقار اور پر مسرت لہجے میں فرمایا کہ: "تم کو علمِ معرفت حاصل کرنے کا شوق ہے تو روزانہ صبح کو یہاں آجایا کرو، ہم تمھیں تعلیم دیا کریں گے، وہ ساری چیزیں ان شاء اللہ تمھیں یہیں مل جائیں گی جن کے لیے تمھیں بے چینی ہے، میں خضر ہوں، اللہ تعالیٰ نے تمھاری تعلیم کے لیے مجھے یہاں بھیجا ہے، یہ راز کسی پر ظاہر مت کرنا۔" فضلِ الٰہی ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام کی بارگاہ میں آپ سمندر کے کنارے ہر روز حاضر ہوتے ان کا حکم تھا کہ بیٹا آپ اس بات کو کسی پر ظاہر نہیں کریں گے۔ مگر والدہ ماجدہ جو بذاتِ خود بہت بڑی صالحہ اور اللہ تعالیٰ کی ولیہ تھیں، انھوں نے آپ سے دریافت فرمایا، آپ نے پہلے تو خاموشی اختیار فرمائی، پھر خیال آیا کہ والدہ ماجدہ سے چھپانا درست نہیں، آپ فرماتے ہیں: "حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علم حاصل کرنے جاتا ہوں" دوسرے دن آپ جب سمندر کے کنارے گئے تو حضرت خضر علیہ السلام کو نہ پایا اور بہت افسردہ ہو کر پوری بات اپنی والدہ مشفقہ سے بتائی۔ والدہ ماجدہ نے فرمایا: بیٹا! رنجیدہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، پھر وہ تمھاری تعلیم کے لیے حضرت خضر علیہ السلام کو بھیج دے گا۔ والدہ نے رات میں گڑگڑا کر دعا مانگی اور دوسرے روز عصر کے وقت حضرت خضر علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہو گئی، انھوں نے فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمھیں علمِ لدنی عنایت ہوا" پھر آپ کو دریا کے کنارے لے گئے اور ایک لقمہ نعمتِ الٰہی کا اپنے منہ سے نکال کر کھلاتے ہوئے فرمایا: "تمھاری والدہ کی دعا مقبول ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تمھیں کمالِ علوم مل گیا اور فیضانِ اولیا حاصل ہو گیا اور خلعتِ ولایت سے سرفراز ہو گئے۔" یہ سن کر حضرت مخدوم قدس سرہ بہت خوش ہوئے، ان سے اجازت لے کر رخصت ہوئے، گھر پہنچ کر جب نمازِ مغرب سے فارغ ہوئے تو اپنا سینہ مبارک جمیع علوم سے مالا مال اور علوم کی تمام تر شاخوں سے لبریز پایا۔ (تلخیص از، ص:۱۰۴تا۱۰۶)

حضرت شیخ مخدوم علی مہائمی قدس سرہ العزیز علم و عمل کے پیکر اور علمِ لدنی کے بحرِ بیکراں تھے، ظاہری علوم آپ نے بظاہر صرف اور صرف اپنے والد ماجد سے حاصل فرمائے، وہ بھی صرف ۱۲؍برس کی عمر تک باقی تمام علوم و معارف حضرت خضر علیہ السلام نے علم لدنی کے طور پر بارگاہِ الٰہی سے دلوائے، آپ کا سینہ علوم و فنون کا گنجینہ بن گیا، آپ نے محض سنتِ مصطفیٰ ﷺ کی ادائیگی کے طور پر نکاح بھی فرمایا اور وہ بھی اپنے وقت کے عظیم سلطان احمد شاہ کی ہم شیرہ سے۔ سلطان احمد شاہ یہ وہ ابو الفرح بادشاہ تھا جس نے سب سے پہلے اپنے نام "احمد" پر شہر احمد آباد کا سنگ بنیاد رکھا، اس کے دورِ حکومت کا سب سے اہم کارنامہ

یہ تھا کہ اس کے قوانین و ضوابط علما،صلحا، وزرا اور اہلِ رائے کے مشوروں سے طے کیے جاتے تھے، حضرت شیخ مخدوم علی مہائمی کے شباب کا زمانہ تھا،اس وقت "تھانہ" اور "ماہم شریف"حکومت گجرات کے ماتحت تھے اور اس پوری سلطنت کے بادشاہ سلطان احمد تھے۔

حضرت مخدوم علی فقیہ مہائمی اپنے عہد کے عظیم صوفی اور قائد و رہنما تھے، آپ کے عرفان اور تقویٰ شعاری کا عالم یہ تھا کہ آپ اپنے عہد میں مسئلۂ وحدۃ الوجود میں شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہ العزیز کے سخت حامی تھے، آپ نے اپنی تصانیف میں جگہ جگہ مسئلۂ وحدۃ الوجود کو عقل و نقل کی روشنی میں ثابت فرمایا ہے۔آپ اسی مسئلہ کی بنیاد پر اپنے عہدِ حیات میں بر صغیر کے شیخ اکبر کہلاتے تھے۔ کتاب میں شیخ اکبر کے احوالِ حیات بھی تفصیل سے نوٹ کیے گئے ہیں۔

آپ بے حد فیاض، کشادہ دست تھے، مستحقین اور حاجت مندوں کی بڑی فراخ دلی سے مدد کرتے ہیں، آپ کے درِ دولت پر ہمیشہ مہمانوں اور ضرورت مندوں کا ہجوم رہتا تھا، آپ کا دسترخوان وسیع ہوتا تھا، انواع و اقسام کے کھانے چنے جاتے تھے، کھانے میں آپ کو مچھلی بہت پسند تھی، ہندو اور مسلمان سب آپ کے حسنِ اخلاق پر فدا رہتے تھے، بہت سے غیر مسلموں نے آپ کے دستِ اقدس پر اسلام قبول کیا۔

حضرت مصنف نے حضرت مولانا سید ابراہیم ابن سید محمد القادری الحسینی المدنی کلیانی رحمۃ اللہ علیہا کے رسالے "ضمیر الانسان" اور دیگر احوال سے حضرت شیخ کی چند کرامات کو پیش کیا ہے۔اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ حضرت مخدوم علی مہائمی نو عمری ہی سے ولایت کی منزلوں کی جانب گامزن تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی طلب سے زیادہ آپ کو سرفراز فرمایا۔ہم یہاں چند کرامات کے صرف عنوانات نقل کرتے ہیں:

(۱)ایک قدم میں مسجد ماہم سے مسجد حرم میں (۲) مردہ بکری زندہ ہوگئی (۳) سات سال بعد گمشدہ جہاز واپس (۴) حضرت مخدوم بیک وقت ماہم و مدینہ میں (۵) ہیرے جواہر کی امانت کنویں کے سپرد (۶) کھائی مچھلیاں دوبارہ زندہ ہوگئیں (۷) حج و شادی کے ذریعہ غریب کی دل جوئی و انصاف (۸) ڈاکٹر کا پسے سابق ڈپٹی پولیس کمشنر کی رپورٹ (۹) چور کا تائب ہونا (۱۰) حضرت مخدوم کے علاقے میں سمندر کا کھارا پانی میٹھا ہو گیا، وغیرہ کرامات کا ظہور ہوا۔اگرچہ ایک ولیِ کامل کے لیے کرامات کا ظہور کوئی ضروری نہیں، اصل چیز اس راہ میں تقویٰ شعاری، توجہ الی اللہ، اذکار و وظائف، جود و سخا، والدین کریمین کی خوشنودی اور خدمتِ خلق ہے، حضرت مخدوم علی مہائمی قدس سرہ العزیز اپنی بلند پایہ علمی اور حیرت انگیز عملی خوبیوں کی وجہ سے جہاں در جہاں متعارف تھے، گوشہ نشیں اور احوالِ زمانہ سے کنارہ کشی آپ کی طبیعت کا ایک اٹوٹ حصہ تھا۔ آپ نے اپنی درس گاہ میں علوم و معارف کے دریا بہائے اور طالبانِ علومِ نبویہ کی پیاسیں بجھائیں، مگر افسوس آپ کے صرف دو تلامذہ کے اسمائے گرامی ملتے ہیں:

(۱)حضرت علامہ محمد سعید کوکنی رتناگیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، آپ کے عربی زبان میں متعدّد رسائل ہیں۔ان کتابوں کا موضوع علمِ حقائق اور تصوف ہے۔آپ کے فیضانِ علمی اور روحانی سے سیکڑوں گمراہوں نے فیض پایا۔ آپ کا مزار انور رتناگیری شہر کی قدیم جامع مسجد کے قریب ہے۔

(۲)حضرت علامہ بدر الدین محمد بن ابو بکر المخدومی الدمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔آپ کی ولادت اسکندریہ مصر میں ۷۶۴ھ/۱۳۶۲ء میں ہوئی اور گلبرگہ ہند میں ۸۲۸ھ/۱۴۲۴ھ میں وصال ہوا۔ آپ جامعۃ الازہر مصر میں استاذ رہے، آپ علومِ ادبیہ کے امام اور اور بہت بڑے لغوی تھے، آپ فقہ میں بھی ممتاز مقام رکھتے تھے۔ متعدّد علمی کتابوں کے مصنف ہیں۔جن کی ایک مختصر فہرست یہ ہے:

(۱)تسہیل ابن مالک (۲) شرح مغینی اللبیب (۳) شرح صحیح البخاری (۴) عین الحیاۃ خلاصۃ حیاۃ الحیوان

حضرت شیخ مخدوم علی مہائمی نے دیگر اہم کارناموں کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی اہم ذخیرہ چھوڑا، تاریخ نگاروں نے آپ کی قلمی خدمات کی تعداد ایک سو سے زیادہ رقم کی ہے، مگر خدا جانے وہ اہم کتابیں کہاں چلی گئیں، اس سلسلے میں حضرت مصنف نے ایک واقعہ رقم فرمایا ہے، ہم ذیل میں اس کی تلخیص نوٹ کرتے ہیں:

یہ لگ بھگ ۳۱/ برس قبل کی بات ہے حضرت علامہ مفتی عبد المجید خاں رضوی کا معمول تھا کہ ہر روز بعد نمازِ عشا حضرت مخدوم علی مہائمی کی درگاہ میں فاتحہ پڑھنے جاتے تھے، ایک بار ڈاکٹر اخلاق احمد علیگ امر ڈوبھا، ضلع بستی سے تشریف لائے، ان کی خواہش کے مطابق حضرت انھیں بھی درگاہ میں ماہم شریف لے کر پہنچے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: کیا حضرت کی تصانیف کی زیارت ہو سکتی ہے؟ کسی

بندۂ خدا نے رہ نمائی کی اور حضرت مفتی صاحب نے درگاہ ٹرسٹ کے صدر سے اپنا مدعا پیش کیا، تو اس بندۂ خدا کا جواب تھا:

”ارے صاحب! آپ پہلے آدمی ہیں جو مخدوم صاحب کی کتابیں ڈھونڈ رہے ہیں، آج تک کسی نے تو ان کی کوئی کھوج خبر نہ لی۔ مخدوم صاحب کی تو ساری کتابیں خدا بخش لائبریری پٹنہ بھجوادی گئیں۔“

درگاہ ٹرسٹ کے صدر کی اس گفتگو سے ان دونوں کو تکلیف ہوئی۔ بعد میں ایک موقع پر حضرت مفتی عبد المجید رضوی نے مخدوم ماہمی کے پڑوسی جناب عبد القادر کھنڈوانی کے سامنے اس افسوس ناک گفتگو کو دوہرایا، یہ سن کر کھنڈوانی صاحب نے کہا:

”جس کی آپ بات کر رہے ہیں وہ وہابی دیوبندی تھا، اس کا نام رشاد تھا، وہ درگاہ کے مجاوروں اور جوتے چپل کی رکھوالی کرنے والوں سے روزانہ نقدی اور بکرے کا گوشت لیا کرتا تھا، اسی پر بس نہیں، حضرت مخدوم مہائمی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے نام پر بہت سی موقوفہ جائداد تھی، وہ سب ہتھیالیا۔“

موصوف نے مزید بتایا کہ: ”رشاد نے حضرت مخدوم علیہ الرحمہ کی ساری کتابوں کو نہایت رازداری اور خفیہ انداز میں قبرستان میں دفن کر دیا تھا، مگر یہ راز فاش ہو گیا اور اس کی جان کے لالے پڑ گئے، پھر قبر کھود کر کتابیں نکالی گئیں، کچھ تو غائب ہو گئیں اور کچھ بچیں وہ خدا بخش لائبریری پٹنہ بھیج دی گئیں۔

بد عقیدگی بھی ایک بلا ہے، آدمی جب اس میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اسے بزرگوں کے آثار و تبرکات بھی بے فیض نظر آتے ہیں۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں جب ماضی کے تاریخی اثاثوں کو بحفاظت تمام محفوظ رکھنے کا نظام جاری ہے، ان بد عقیدہ لوگوں نے صرف اپنے جدید نظریات کی سرخروئی کے لیے بزرگوں کی تصنیفی خدمات کو بھی ضائع کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ نجدیوں نے حرمین طیبین میں بھی یہی کیا، اسی طرح رشاد نام کے اس بد عقیدہ نے کیا، اس نے نہ صرف حضرت مخدوم ماہمی کے اوقاف کی زمینوں کو ہڑپا، وہاں مزار مبارک کے سچے خادموں کو بھی مسلسل پریشان کرتا رہا اور انتہا یہ ہو گئی کہ اس نے حضرت مخدوم ماہمی قدس سرہ العزیز کے قلمی آثار اور تصنیفی یادگاروں کو ضائع کرنے کی آخری کوشش کر ڈالی، نہ صرف یہ کہ انھیں ایک قبر میں دفن کیا بلکہ دیگر طریقوں سے بھی ان کی علمی اور قلمی یادگاروں کو ضائع کیا ہوگا۔ اسی طرح دیگر مزارات پر بھی ہو رہا ہے۔

خیر اب ہم ان چند اہم کتابوں کے نام سپرد قلم کرتے ہیں جنھیں حضرت العلام مصنف نے اپنی وقیع کتاب میں توضیحات کے ساتھ سپرد قلم کیا ہے، ذیل میں صرف فہرست پر آپ ایک نگاہ ڈال لیں:

(١)انعام الملك العلوم باحكام حكم الاحكام (٢) ادلة التوحيد (٣) متن مخدومية فى فقه الشافعي (٤) فتاویٰ مخدومیه (٥) رساله عجيبة (٦) امحاض النصيحة (٧) خصوص النعم في شرح فصوص الحكم (٨) مرأة الحقائق (٩)زوارف اللطائف فى شرح عوارف المعارف (١٠) مشروع الخصوص فى شرح الفصوص (١١) الرتبة الرفيعة فى الجمع والتوفيق بين اسرار الحقيقة و انوار الشريعة (١٢) اجلة التائيد فى شرح ادلة التوحيد (١٣) الضوء الازهر فى كشف سر القضاء والقدر (١٤) تعريب و تشريح لمعات عراق (١٥) رسالة الوجود فى شرح اسماء المعبود (١٦) استجلاء البصر فى الرد على استقصاء النظر (١٧) اراءة الدقائق شرح مرأة الحقائق (١٨) الضوء الازهر فى شرح النور الاظهر (١٩) تنوير الجنان (٢٠) تفسير القرآن (٢١) شرح قصيدة رائية.

یہ باقی ماندہ چند کتابوں کے نام ہیں ، آپ کی تصنیفات، تالیفات، شروح و حواشی اور تفسیر قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو فلسفہ اور تصوف کا غلبہ ضرور ہوگا، آپ کی تصانیف میں حضرت شیخ ابن عربی قدس سرہ العزیز کی فکر، فلسفۂ وحدۃ الوجود کا جلوہ خوب نظر آتا ہے۔

حضرت مخدوم ماہمی قدس سرہ العزیز کی ڈیڑھ درجن سے زیادہ کتب متعدّد لائبریریوں میں موجود ہیں، جن میں سے بعض عرب ممالک میں شائع ہوتی رہتی ہیں، سب سے زیادہ شہرت و مقبولیت آپ کی تفسیر کو حاصل ہوئی، جس کا اصل نام ہے ”تبصير الرحمٰن و تيسير المنان ما يشير الىٰ اعجاز القرآن“ ہے جو ”تفسیر رحمانی“ اور ”تفسیر مہائمی“ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ تفسیر دو جلدوں میں ہے جو ۸۳۱ھ میں تصنیف ہوئی۔ یہ اہم تفسیر پہلی بار ۱۲۹۵ء میں مصر سے شائع ہوئی اور دوسری بار بیروت لبنان سے شائع

ہوئی اور اب شان دار کمپوزنگ کے ساتھ لبنان سے شائع ہو رہی ہے۔ بفضلہ تعالیٰ اب اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو رہا ہے۔

تفسیر قرآن عظیم کی ایک امتیازی خصوصیت تو یہ ہے کہ یہ ہندوستان کی سب سے پہلی باضابطہ تفسیر قرآن ہے۔ حضرت مصنف علامہ مفتی عبدالمجید خاں رضوی نے ایک عنوان قائم کیا ہے "ہر سورہ میں بسم اللہ کی جدید تشریح" اس کے ذیل میں آپ لکھتے ہیں:

"مفسر قرآن حضرت علامہ علی مخدوم مہائمی قدس سرہ العزیز کی "تفسیر القرآن" پوری دنیاے اسلام میں جس ممتاز حیثیت سے جانی پہچانی جاتی ہے، وہ ہر سورہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی نئی تشریح ہے جو سورت کے پیش آمدہ مضمون کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کی گئی ہے اور کمال یہ ہے کہ اس میں اعلیٰ خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں، اس قسم کی مثال ہمیں کسی دوسری تفسیر میں نہیں ملتی، یہ آپ ہی کی تفسیر کا خاصہ ہے" حضرت مصنف نے اس کی مثالیں بھی نوٹ فرمائی ہیں۔

"تذکرۂ مخدوم علی مہائمی" کا یہ ایک مختصر جائزہ تھا، بے شمار مبارک بادیوں کے مستحق ہیں فاضلِ گرامی وقار محبِ مکرم حضرت علامہ مفتی عبد المجید خاں قادری رضوی مصباحی دامت برکاتہم العالیہ جنھوں نے اس عظیم موضوع پر فکر و تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے اور ہم جیسے کم سواد افراد کے لیے ایک عظیم الشان موضوع پر مواد جمع فرما کر بڑا کرم فرمایا ہے۔

حضرت مصنف جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے بموقع عرس حضور حافظ ملت ۱۷ر مارچ ۱۹۸۳ء/۱۴۰۳ھ دستارِ فضیلت سے سرفراز ہوئے، تعلیم کی مدت ۸ر سال ہے، اس کے بعد ۱۰ر شوال المکرم ۱۴۰۳ھ/ اگست ۱۹۸۳ء میں دار العلوم محبوب سبحانی کرلا ممبئی میں تدریس شروع فرمائی اور ادارۂ شرعیہ ممبئی میں قضا و افتا کی ذمہ داری سنبھالی، اس کے بعد ۹ر سال تک ماریشش افریقہ میں دینی اور علمی خدمات انجام دیں، وہاں آپ نے ۹ر ہزار اسکوائر فٹ خطۂ زمین پر ایک ادارہ بنام "جامعہ امام احمد رضا" قائم کیا جو بفضلہ تعالیٰ آج بھی بحسن و خوبی ترقی پذیر ہے۔ آپ نے ایک ادارہ بنام جامعہ رضویہ، لدواشری پال، پوسٹ پسائی سنت کبیر نگر یوپی میں قائم کیا جو آپ کے اہتمام اور صدارت میں چل رہا ہے۔ آپ ایک عظیم مصنف ہیں، اب تک آپ کی مختلف موضوعات پر ۲۵ر کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ آپ نے پیشِ نظر کتاب کا دوسرا حصہ بنام "مخدوم علی مہائمی اور صوفیا کا مسلکِ وجودی" بھی مکمل فرما دی جو انشاء اللہ جلد ہی منظرِ عام پر آجائے گی۔ حضرت مصنف اس وقت سنی مدینہ مسجد، تیلی گلی، اندھیری ایسٹ میں خطیب و امام ہیں، دعوت و تبلیغ اور تصنیف و تالیف میں لگے رہتے ہیں۔

یہ کتاب دراصل حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی اور سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی ترغیب پر لکھی گئی ہے، اللہ تعالیٰ انھیں اپنی شان کریمانہ کے مطابق جزاؤں سے سرفراز فرمائے۔ صد قابلِ مبارک باد ہیں صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ، اور مبلغِ اہلِ سنت حضرت علامہ محمد عبد المبین نعمانی قادری جنھوں نے بہت سے مواد فراہم کیے اور قابلِ صد مبارک باد ہیں حضرت مولانا محمد وارث جمال قادری مصباحی جنھوں نے ایک اہم تقدیم سپرِ قلم فرمائی ہے اور مبارکبادیوں کے مستحق ہیں امیر سنی دعوتِ اسلامی حضرت مولانا محمد شاکر نوری اور حضرت مولانا مظہر حسینی علیمی جن کی نگاہ کرم سے یہ کتاب منظرِ عام پر آئی ہے۔

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ قریب قریب ہر بڑی کتاب میں کچھ نہ کچھ خامیاں بھی رہ جاتی ہیں تو وہ اس میں بھی ہیں۔ زبان و بیان سادہ اور فکر انگیز ہے، تحقیقی اور تاریخی مباحث میں آپ نے بھرپور حوالوں کا اہتمام فرمایا ہے۔ آپ نے حضرت علامہ شاہ مخدوم علی مہائمی قدس سرہ العزیز کے احوالِ حیات اور معارف و حقائق کو بڑے سلیقے سے بیان فرمایا ہے، اسی کے ساتھ یہ ایک سچائی ہے کہ آپ نے اس کتاب میں بہت سے ایسے امور بھی رقم فرما دیے ہیں جن کو کم از کم اس میں ذکر کرنا غیر مناسب تھا۔

ہماری گفتگو کا حاصل یہ کہ "تذکرہ مخدوم علی مہائمی" ایک اہم علمی اور تاریخی دستاویز ہے، اس میں علوم و معارف کے سمندر موجزن ہیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے اور ہو سکے تو باضابطہ دیگر حضرات کو ان کی شخصیت و فکر پر لکھنے کی دعوت دی جائے اور خاص طور پر حضرت علامہ شاہ مخدوم علی مہائمی قدس سرہ العزیز کی تصانیف کو شائع کرانے کا اہتمام کیا جائے۔ اب انشاء اللہ ہم بھی اس موضوع پر باضابطہ کچھ لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس تمنا کو پورا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

نعتِ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ضیائے نعت

عاشق کو راس آتا نہیں کچھ سوائے نعت
ساز غزل بجائے کوئی کیوں بجائے نعت ؟
گزری ہے اپنی زندگی کرتے ثنائے نعت
تار نفس سے آئے نہ پھر کیوں صدائے نعت ؟
دوش صبا پہ آئی ہے خوشبو حبیب کی
یادوں کی بزم سج گئی کوئی سنائے نعت
رحمت بلائیں لیتی ہے اس خوش نصیب کی
جس کی حیات وقف رہی ہے برائے نعت
اہل دول کو لائے وہ خاطر میں کس طرح ؟
ہر دم ضمیر جس کا رہا آشنائے نعت
ہر اک ادا ہے اس گل طیبہ کی پرکشش
اس واسطے تو پڑھتے ہیں اپنے پرائے نعت
تاریکیِ لحد کا اسے کچھ بھی غم نہیں
جس کے حریم دل میں بسی ہے ضیائے نعت
جالی ہو ان کے روضے کی ہاتھوں میں کاش اور
قمریِ دل چہک کے مری گنگنائے نعت
دنیا میں کچھ ملے نہ ملے کوئی غم نہیں
شاکر بہارِ باغِ ارم ہے بہائے نعت

شاکر علی رضوی، کانکیر، چھتیس گڑھ

درودِ پاک کے نغمات گنگنائے فلک

بیان کرتا ہے یہ نطقِ اعتلائے فلک
ہیں نقشِ پائے نبی باعثِ ضیائے فلک
اگر غرور ہو اپنی بلندیوں پہ بہت
فرازِ گنبدِ خضریٰ کو دیکھ جائے فلک
مہ و نجوم ہیں خاکِ دیارِ سرورِ دیں
وگرنہ کب تھا یہ ممکن کہ جگمگائے فلک
نبی کی راہ گذر بن گیا، شبِ اسریٰ
لکھا نصیب میں تھا یہ شرف برائے فلک
وہ رازِ کُن سے رہے بے خبر کہاں ممکن
چھپا نہ جس کی نگاہوں سے خود خدائے فلک
زمیں کے سارے خزانے ہیں واسطے ان کے
انہیں کے واسطے ہیں سارے گنج ہائے فلک
ردائے سرورِ کونین تیرے صدقے میں
زمین والوں پہ تانی گئی ردائے فلک
زمین اپنے مقدر پہ ناز کیوں نہ کرے
پسند اس کو نبی نے کیا بجائے فلک
ہے دسترس میں علوئے جہان عز و شرف
کہو کہ قد پہ ہمارے نہ مسکرائے فلک
ہماری آنکھوں نے دیکھا ہے گنبدِ خضریٰ
ہمارے سامنے آئیں نہ اب پرائے فلک
نبی کے روضے پہ اپنی نظر جماتے ہوئے
درودِ پاک کے نغمات گنگنائے فلک
سحر کے موڑ پہ بامِ افق پہ روز اے نوؔر
چراغِ عشقِ شہِ دوجہاں جلائے فلک

سید محمد نور الحسن نوؔر فتح پوری

صدائے بازگشت

وقت بہت بڑا منصف ہے

مکرمی! مذہبی ہونا بڑی اچھی بات ہے مگر مذہبی ہونے سے قبل یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ مذہب کیا ہے، اس کے مطالبے، تقاضے اور اس کے اثرات کیا ہیں۔ اگر یہ سب سمجھے بغیر ہم مذہبی ہو گئے تو سمجھ لیجیے ہم سے بڑا مذہب کو دھوکہ دینے والا کوئی اور نہیں ہوگا۔ کیوں انسان اس صورت میں خیر کے بجائے شر کی طرف چلا جاتا ہے اور اسے پتہ بھی نہیں چلتا۔ اسی لیے قرآن کریم میں اللہ نے اپنے مقدس کلام کے متعلق فرمایا کہ ”اسی سے لوگ ہدایت پائیں گے اور اسی سے گمراہ ہوں گے۔“ اس کا کیا مطلب ہوا؟ مطلب یہ کہ کسی چیز کے مصداق، اس کے پس منظر اور پیش منظر کو سامنے رکھنا نہایت ضروری ہے ورنہ نتائج خطرناک ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ انسان کو مذہب کی جتنی ضرورت ہے اتنی ہی زیادہ ضرورت مذہبیت کی صحیح تعریف اور اس کے صحیح استعمال کی بھی ہے۔ یہ بات اس لیے کہی جا رہی ہے کہ کبھی کبھی ہمارے رویوں، رجحانات اور معمولات پر ہمارے مخالفین یا مخالفین کی صف میں شمار ہونے والے افراد کی جانب سے جو منفی تبصرے اور مطالبے آتے ہیں ان میں کہیں نہ کہیں حقیقت ہوتی ہے اور کچھ نہ کچھ ملی جلی صداقت بھی، گو کہ یہ تبصرے اور مطالبے عصبیت، نفرت اور غلط فہمی میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں مگر ہماری کمیونٹی کے بعض سنجیدہ طبقوں کو یہ غور و فکر کی طرف مائل ضرور کر جاتے ہیں اور انہیں سوچنا پڑتا ہے کہ واقعی ہم سے کہیں نہ کہیں غلطیاں ہو رہی ہیں اور مذہبیت کے نام پر لامذہبیت کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمیں ان کے ازالے کی تگ و دو کرنی چاہیے۔ اگر ہم آج اس کی اصلاح کی طرف مائل نہیں ہوئے تو کل مخالفین کے ان تبصروں کی نوکیں مزید تیز اور نوکیلی ہو جائیں گی جو ہمارے درد میں مزید شدت کا باعث ہوں گی۔ گزشتہ دنوں بالی ووڈ کے معروف نغمہ نگار سونو نگم کے اذان کے متعلق کیے گئے ٹوئیٹ کو سامنے رکھیے تو گفتگو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ ہمیں سونو نگم کے نظریات سے بالکل اتفاق نہیں البتہ نغمہ نگار کے تبصرے کے بعض پہلو ضرور قابل توجہ ہیں اور دراصل یہی اس تحریر کے اصل محرک ہیں۔ آئیے دیکھیے کہ ہم سے غلطیاں کہاں ہو رہی ہیں۔

ہمارے محلے میں ہر سال بارہویں شریف کے موقع پر گلیوں کو سجایا جاتا ہے۔ ایک سال نہیں بلکہ کئی برسوں تک ایسا ہوا کہ حسب معمول گلیاں سجیں اور جنریٹر کو گلی کے نکڑ پر رکھ دیا گیا۔ میرا گھر اسی نکڑ پر ہی واقع ہے۔ میری والدہ کی طبیعت اکثر خراب رہتی ہے۔ (اللہ انہیں صحت سے نوازے اور ہم پر ان کا سایہ دراز فرمائے۔ آمین) اُن دنوں کچھ زیادہ ہی خراب تھی۔ رات بھر جنریٹر چلتا رہا اور اس کی آوازیں میری والدہ کو پریشان کرتی رہیں، ذمے داروں کو اس طرف متوجہ بھی کرایا گیا مگر وہ اسے ٹال گئے اور میری امی کی چڑچڑاہٹ میں اضافہ کر گئے۔ کیا یہی ہے مذہبیت؟ کیا یہی ہے سیرت نبوی کا سبق؟

چھوٹے قصبوں اور دیہاتوں میں آج بھی یہ رواج ہے کہ رمضان المبارک میں سحری کے وقت مسجد کا لاؤڈ اسپیکر کھول دیا جاتا ہے اور پورے گاؤں کو جگایا جاتا ہے، اندازہ کیجیے جو گھر مسجد کے قریب واقع ہیں ان کے گھر میں کوئی بچہ، بوڑھا یا بیمار ہوگا تو لاؤڈ اسپیکر کی یہ آواز کیا انہیں تکلیف نہیں دے گی؟ میرا گھر چوں کہ مسجد کے بالکل عین سامنے ہے اس لیے جب جب مسجد کا لاؤڈ اسپیکر بجتا ہے تو اس کی آواز سیدھے ہمارے گھر کے صحن سے ٹکراتی ہے جس سے گھر میں سونے والوں کا سونا دوبھر ہو جاتا ہے کیا یہی ہے مذہبیت اور تدین؟

ممبئی سمیت تقریباً ہر جگہ ہر شہر کے مسلم اکثریتی علاقوں میں کئی مسالک کے لوگ آباد ہوتے ہیں اسی لیے وہاں کئی مسالک کی مسجدیں بھی ہوتی ہیں۔ بعض مسجدیں تو بالکل قریب قریب ہی ہوتی ہیں۔ ایک مسجد کی اذان ختم نہیں ہونے پاتی کہ دوسری مسجد کی شروع ہو جاتی ہے۔ اریب قریب کے لوگ بہت چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کہہ پاتے۔ المیہ یہ نہیں ہے کہ لاؤڈ اسپیکر بجتا ہے، المیہ یہ ہے کہ ہماری ”مذہبیت“ اذان کی آواز کو دور دور تک پہنچانے پر اصرار کرتی ہے اس لیے وہ یہ نہیں دیکھتی کہ کس کو تکلیف ہو رہی ہے اور کسے فائدہ پہنچ رہا ہے۔ یہ بھی مشاہدے میں ہے کہ مسجدوں کے لاؤڈ اسپیکر بہت دور تک بلکہ اپنے محلے سے نکال کر دوسرے محلے میں بھی لگا دیے جاتے ہیں۔ ارے بھئی! تقریباً ہر محلے میں ایک نہ ایک مسجد ضرور ہوتی ہے اور اذان خصوصاً محلے کے نمازیوں کو متوجہ کرنے کے لیے ہی دی جاتی ہے اس لیے دور تک یا ایسی جگہ لاؤڈ اسپیکر لگانے کا کیا مطلب ہے جہاں دوسری مسجد واقع ہے یا وہ علاقہ دوسری مسجد کی حدود میں واقع ہے؟ کیا اسی کا نام ہے مذہبیت اور دین داری؟

ہماری یہی ''مذہبیت'' اور ''تدین'' ہے جس نے غیروں کو مخالفت کرنے پر آمادہ کیا اور ہم اس پر سنجیدہ ہونے کو تیار ہی نہیں۔ مجھ جیسے لوگوں نے اگر سمجھانے کی کوشش بھی کی تو پھر انہیں ہمارا ''ایمان وعقیدہ'' ہی ''خطرے'' میں نظر آیا اور ہمیں ''خارج'' ہی کردیا گیا۔ کیا یہی ہے مذہبیت اسی لیے ہم جیسے لوگ خاموش بیٹھے ہیں اور آنے والے وقت کا انتظار کر رہے ہیں کیوں کہ وقت بہت بڑا منصف ہے۔ وہ غیر جانب داری سے فیصلہ کرے گا کہ کون ''مذہبی'' ہے اور کون ''غیر مذہبی''۔ آپ بھی انتظار کیجیے، ہم بھی کرتے ہیں۔ رہے نام اللہ کا۔

از: صادق رضا مصباحی. نائب مدیر ماہ نامہ سنی دعوتِ اسلامی، ممبئی

اسرائیل میں مودی قادیانی ملاقات کا پس منظر

مکرمی! جولائی ۲۰۱۷ کا سال بھارت کی تاریخ میں خصوصی اہمیت کا حامل رہے گا۔ کیونکہ اس میں موجودہ وزیر اعظم مودی جی نے ستر سالہ ریکارڈ توڑ کر اسرائیلی دورہ کیا۔ یہ ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم ہیں جنھوں نے اس طرح اسرائیلی دورہ کیا ورنہ اس سے پہلے بھارت کی ریت یہ رہی ہے کہ ظالم کو ظالم کہا جائے اور مظلوم کا ساتھ دیا جائے۔ اسی بنیاد پر ہندوستان نے ہمیشہ فلسطینیوں کے جائز حقوق کا ساتھ دیا اور اسرائیل کو ہمیشہ غاصب وظالم سمجھا۔ مگر یہ پہلا موقع ہے جب کھلے عام مودی جی نے اسرائیلی وزیر اعظم بنجامن نیتن یاہو سے ملاقات کر کے دہشت گردی کی دنیا میں ایک نئی تاریخ مرتب کی۔

اس موقع پر نیتن یاہو نے جہاں تمام دشمنان اسلام کو جمع کر لیا تھا، وہیں قادیانی فرقے کے سربراہ احمد جلال کو بھی مدعو کیا گیا۔ جن سے مودی جی نے مسکرا کر خصوصی طور پر ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ہم تمھارے فرقے کے بہت قریبی دوست ہیں۔ (ہفت روزہ نشیمن ۲۰۱۷-۰۷-۱۷ صفحہ ۱-۲)

ان سے پہلے ۲۹ مئی ۱۹۳۶ء کو لاہور میں قادیانی فرقے کی طرف سے نہرو جی کا بھی زبردست استقبال کیا گیا تھا۔ اور آج اسرائیل کی دھرتی پر مودی کے استقبال میں یہ فرقہ اپنا خصوصی کردار نبھا رہا ہے۔

اس حقیقت سے ہر صاحب فکر اور صاحب نظر اچھی طرح واقف ہے کہ قادیانی فرقے کی بنیاد مرزا غلام احمد قادیانی نے ڈالی تھی۔ جس کی بنیاد ختم نبوت کے صدیوں پرانے معنی کو ختم کر کے ایک نیا معنی گڑھنا تھا تاکہ مرزا غلام احمد قادیانی کو دلائل کی بنیاد پر نہ سہی کسی نہ کسی طرح دھکے مار کر نبوت کی دہلیز تک پہنچایا جائے۔

حالانکہ اس سے پہلے بھی کئی لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ جیسا کہ خود دور رسالت میں مسیلمہ کذاب اٹھا۔ ان ہی لوگوں میں طلیحہ اسدی البطاح مہرہ اور مالک بن نویرہ کا نام مشہور ہے۔ ان لوگوں کا دعوائے نبوت دیکھ کر عورتوں کو بھی نبوت کا شوق چرایا اور دیکھتے ہی دیکھتے سجاح بنت حارث بھی نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ مگر بعد میں شکست سے دوچار ہونے کے بعد جب اسی کی قوم کے سارے افراد مسلمان ہو گئے تو اس نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ مگر ان سارے مدعیان نبوت میں سے کسی نے بھی خاتم النبیین کا وہ معنی نہیں گڑھا جو مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے فرقے کی بنیاد ڈالنے کے لیے گڑھا۔ اور جسے قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب تحذیر الناس کے ذریعہ تقویت دی۔

مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۴۰ ۱۹۰۸) نے جس طرح ختم نبوت کے تواتر المعنی آخری نبی کا انکار کر کے باب ختم نبوت کو توڑ کر اندر گھسنا چاہا وہ تاریخ ختم نبوت کا پہلا معاملہ ہے۔

اس سے پہلے دار العلوم دیوبند کے فرضی بانی قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس لکھ کر نئے نبی کے لیے اسی طرح زمیں ہموار کی کہ آخری معنی سمجھنا اہل علم کا نہیں بلکہ جاہل عوام کا عقیدہ ہے۔ اور پھر اسی کی بنیاد پر اس نے یہ دعویٰ بھی کر دیا کہ آپ کے زمانے میں یا آپ کے بعد کبھی بھی کوئی نبی آجائے تو آپ کی نبوت پر کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ یہ ایک ایسا عقیدہ تھا جسے نہ آج تک کسی نے سنا تھا اور نہ ہی کسی نے اسے اپنایا تھا۔ ساری دنیا میں کوئی بھی اس عقیدہ کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا اسی سلسلے میں خود دیوبندی جماعت کی معتبر اور مشہور شخصیت مولانا اشرف علی تھانوی کی یہ تحریر اس کا واضح ثبوت ہے، وہ لکھتے ہیں۔

جس وقت مولانا نانوتوی صاحب نے تحذیر الناس لکھی ہے کسی نے ہندوستان بھر میں مولانا کے ساتھ موافقت نہیں کی بجز مولانا عبدالحی کے۔ (الافاضۃ الیومیہ جلد ۱۴ ۵۸۰ ملفوظ نمبر ۹۲۷)

ادھر تحذیر الناس کے ذریعہ مولانا نانوتوی نے زمیں ہموار کی اور ادھر مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ ٹھونک دیا۔ جس سے دیکھتے ہی دیکھتے دنیائے اسلام میں طوفان آگیا۔ ہر طرف شورش جاگ اٹھی۔

مرزا صاحب کے والد غلام مرتضی انگریزوں کی طرف سے سات سو روپیہ سالانہ پنشن پایا کرتے تھے جو اس وقت کے لحاظ سے ایک بہت بڑی رقم تھی۔ ایک بار ایسا ہوا کہ ان کے والد نے انھیں وہ رقم لینے بھیج دیا اس وقت ان کے چچیرے بھائی امام الدین بھی ان کے

ساتھ تھے۔رقم وصول ہونے کے بعد انھیں موج مستی کی سوجھی جس سے وہ ساری رقم ختم ہوگئی رقم ختم ہونے کے بعد امام الدین نے اپنی ڈگر لی مگر مرزا صاحب باپ کی مار کے ڈر سے سیال کوٹ بھاگ گئے وہاں انھوں نے اپنے پرانے دوست لالہ بھیم سین کے ساتھ ایک کچہری میں پندرہ روپے ماہوار پر ملازمت اختیار کرلی یہ ۱۸۴۶ کا واقعہ ہے۔اس موقع پر انھوں نے وہاں بڑی کمائی کی۔اسی کمائی سے اپنی دوسری بیوی کے لیے چار ہزار کے زیور بنوائے جو اس وقت کے لحاظ سے بہت بڑی رقم تھی (رئیس قادیان صفحہ ۲۴) اس موقع پر رئیس قادیان صفحہ ۲۷ پر ایک عجیب و غریب بات درج ہے، وہ لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال کے استاد میر حسن سیال کوٹی کا بیان ہے کہ مرزا صاحب کے پاس قرآن پاک کا جو نسخہ تھا اس میں سورۂ ناس کے اختتام پر مرزا صاحب نے قوت باہ کا ایک نسخہ لکھ رکھا تھا۔جس سے ان کے دل میں قرآن کی کیسی عظمت تھی اس پر بھی کچھ روشنی پڑتی ہے اور دوسری بیوی کے لیے چار ہزار کے قیمتی زیور کی خریداری کی بھی نقاب کشائی ہوتی ہے۔

اسی دوران انھوں نے اپنے پرانے رفیق لالہ بھیم سین کے ساتھ مختاری کا امتحان بھی دیا جس میں ان کے رفیق لالہ بھیم سین تو کامیاب ہو گئے مگر مرزا صاحب اٹک گئے۔ادھر چار پانچ سال کی جدائی سے باپ کا دل کچھ پسیجا تو انھوں نے اسے گھر آنے کی اجازت دے دی۔گھر پہنچ کر وہ ایک صوفی منش بزرگ کی طرح زندگی گزارنے لگے جس سے ان کے والد کی ناراضگی بھی کم ہوگئی اور عوام میں ان کی مقبولیت بھی بڑھنے لگی ۔یہیں سے ان کی زندگی کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔جس میں پہلے وہ ایک مجدد کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔یہ ۱۸۸۴ کا دور تھا۔پھر ۱۸۹۱ میں وہ مہدی اور مسیح موعود ہونے کا جھنڈا لے کر اٹھتے ہیں۔اس کے دس سال بعد ۱۹۰۱ میں نبی ہونے کا دعویٰ لے کر ایک نئے فرقہ کے بانی کی شکل میں سامنے آتے ہیں۔اور ختم نبوت کا ایک ایسا معنی گڑھتے ہیں جو مسیلمہ کذاب سے لے کر آج تک کوئی نہیں گڑھ سکا۔اسی موقع پر قاسم نانوتوی تحذیر الناس لے کر سامنے آتے ہیں،جس سے مرزا صاحب کو اپنے مشن کو پھیلانے میں زبردست تقویت ملی۔دیکھتے ہی دیکھتے ان کا مشن آندھی و طوفاں کی شکل اختیار کر گیا۔ایک طرف انگریزوں کا سایہ،دوسری طرف تحذیر الناس کی پشت پناہی نے اسے ایسی تقویت دی کہ جاہل ان پڑھ اور ناسمجھ لوگ تیزی سے ان کے دام فریب میں پھنسنے لگے۔

اس وقت جلیل القدر علمائے کرام نے حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے فوراً اس کے سدباب کے لیے جگہ جگہ مورچہ کھول دیا۔ خصوصاً پیر جماعت علی شاہ، حضرت سید مہر علی شاہ گولڑی، حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری، مجدد اسلام امام احمد رضا فاضل بریلوی، دکن میں مولانا انوار اللہ شاہ فاروقی و دیگر علما و مشائخ اہل سنت نے قادیانیوں کی ایسی ناکہ بندی کی کہ پوری ملت اسلامیہ ان کے فکری شر و فساد سے اور ان کے ارتداد سے محفوظ ہوگئی۔ادھر پورے مدھیہ بھارت میں صرف چھتیس گڑھ میں بسنہ ضلع رائے پور جواب مہاسمند ضلع میں ہے، یہی ایک ایسا علاقہ تھا جسے قادیانیوں نے اپنا مرکز بنانا چاہا اور کشمیر سے کچھ قادیانیوں کو مدعو کیا جنھوں نے قرب و جوار کے علاقوں میں پھیل کر قادیانیت کے فروغ کا منصوبہ بنایا ایسے موقع پر خلیفۂ اعلیٰ حضرت محسن ملت حضرت مولانا حامد علی فاروقی علیہ الرحمہ نے وہاں کمان سنبھالی، ان کا زبردست مورچہ بندی کی، اور اس کا ایسا سدباب فرمایا کہ وہ فتنہ اس جگہ سے آگے نہ بڑھ سکا۔اس کے لیے اس وقت آپ نے جگہ جگہ جلسہ کر کے اور انھیں بار بار مناظرہ کا چیلنج کر کے اس فرقہ کے سے عقائد سے لوگوں کو خبردار فرمایا جس کی وجہ سے وہ فرقہ آپ کی زندگی میں سمٹ کر چند افراد تک محدود ہوگیا اور پورا علاقہ ان کے شر و فساد سے محفوظ ہوگیا۔ہر جگہ مسلک اہلسنت کا بول بالا ہوگیا۔ان بزرگوں کی لگاتار جدوجہد، شب و روز کی محنت اور سعی مسلسل کی وجہ سے یہ فتنہ زیادہ ہاتھ پیر نہیں مار سکا۔مگر جب سے اسے یہودیوں کی سرپرستی حاصل ہوگئی یہ دولتوں کا انبار لے کر ہر طرف پھیلنے لگا۔اس حقیقت سے ہر صاحب علم و فکر واقف ہے کہ آج اسرائیلی حکومت میں کسی بھی مسلم جماعت کو اپنی آفس کھولنے کی اجازت نہیں ہے مگر قادیانیوں کو وہاں ہر طرح کی سہولیت حاصل ہے اس موقع پر مودی جی کا ان کے سربراہ سے ملاقات کرنا اور انھیں آشیرواد دینا واضح کر رہا ہے کہ مستقبل کا کوئی خفیہ نقشہ تیار ہو چکا ہے اور اب اس میں صرف رنگ بھرنے کا کام باقی ہے جس کے لیے اب صرف وقت کا انتظار ہے جو ملت اسلامیہ کے لیے انتہائی چونکا دینے والی بات ہے اور مستقبل میں زبردست طوفان کا الارم ہے۔اس لیے ضرورت ہے کہ وقت سے پہلے ہم جاگ جائیں اور قبل اس کے کہ مودیت اور یہودیت کی پشت پناہی میں یہ فرقہ فتنہ پیدا کرے اس سے پہلے تقریروں کے ذریعہ، جلسوں کے ذریعہ اور لٹریچر کی تیاری کے ساتھ ہم میدان عمل میں اتر کر اور اہلسنت کے ہر ہر فرد تک اپنی بات اس طرح پہنچائیں کہ جس روپ میں بھی اور جس بھی شکل میں وہ فتنہ سامنے آئے ہم اس کا مقابلہ کر سکیں۔اپنی آنے والی نسل کو ان کے فتنوں سے محفوظ رکھ سکیں۔

از: **مولانا محمد علی فاروقی** قاضی شہر رائے پور سی۔جی
mohammad ali farooqui786@yahoo,com

روداد چمن

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں تقسیم انعامات کی تقریب

سالانہ امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے اعدادیہ تا فضیلت ہر درجہ کے پانچ پانچ طلبہ کو انعامات سے سرفراز کیا گیا۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی عزیز المساجد میں تقسیم انعامات پروگرام کا انعقاد کیا گیا جس میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سالانہ امتحان میں ہر درجہ میں نمایا کامیابی حاصل کرنے والے طلبہ کو جامعہ کی جانب سے سربراہ اعلیٰ حضرت علامہ شاہ عبدالحفیظ دام ظلہ، ناظم تعلیمات حضرت علامہ محمد احمد مصباحی اور جامعہ کے پرنسپل و صدر مفتی محمد نظام الدین رضوی کے ہاتھوں جملہ درجات میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے طلبا کو انعامات دے کران کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ اس موقع پر حضرت علامہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے طلبہ کو محنت ولگن کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہوئے کہاکہ تقسیم انعامات کا سلسلہ اس لیے جاری کیا گیا ہے کہ سارے طلبہ خوب محنت و مشقت کریں اور وہ بھی اعلیٰ کامیابی حاصل کرکے انعام کے مستحق ہوں، حضرت علامہ موصوف نے طلبہ کو صوم وصلوۃ کی پابندی پر زور دیتے ہوئے بہت ہی نصیحت آموز خطاب کیا۔ جامعہ اشرفیہ کے موقر استاذ علامہ عبدالحق مصباحی نے حصول تعلیم کے عنوان پر خطاب کرتے ہوئے طلبہ کو بہت ہی مفید باتیں بتائیں۔ واضح رہے کہ ہر سال جامعہ کے سالانہ امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے اعدادیہ تافضیلت ہر درجہ کے پانچ پانچ طلبہ کو جامعہ کی جانب سے انعامات دیے جاتے ہیں۔ امسال پورے جامعہ میں اول پوزیشن حاصل کرنے والے محمد ابوذر غفاری پرولیا، دوم پوزیشن حاصل کرنے والے احتشام احمد، امبیڈکر نگر اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والے غلام احمد رضا، کشن گنج کو خصوصی انعامات اور بقیہ کو تشجیعی انعامات سے نوازا گیا۔ پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا، اس کے بعد منظوم خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ اخیر میں صلوۃ وسلام اور حضرت علامہ محمد احمد مصباحی کی دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔ پروگرام کی صدارت عزیزِ ملت حضرت علامہ عبدالحفیظ سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ اور نظامت مولانا ساجد علی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ نے کی۔

اس موقع پر مفتی معراج القادری مصباحی، مولانا مسعود احمد برکاتی، مولانا مبارک حسین مصباحی ، مولانا نعیم الدین عزیزی، مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا صدرالوریٰ مصباحی، مفتی محمد نسیم القادری، مولانا محمد اختر کمال قادری، مولانا اختر حسین فیضی، مولانا ناظم علی مصباحی، مولانا دستگیر عالم مصباحی، مولانا حسیب اختر مصباحی ، مولانا محمد ہارون مصباحی، مولانا ازہرالاسلام مصباحی، مولانا حبیب اللہ ازہری، مولانا عبداللہ ازہری، مولانا جنید احمد مصباحی، مولانا محمد اسلم مصباحی ، مولانا محمد اشرف مصباحی، مولانا محمد انوار مصباحی، مولانا توفیق احسن، مولانا محمد ارشاد مصباحی وغیرہ سمیت دیگر اساتذہ وجملہ طلبہ کثیر تعداد میں موجود تھے۔

درجہ	پوزیشن	نام طالب علم	سکونت	جامعہ میں پوزیشن	انعامی کتب
اعدادیہ	اول	فیض محمد رضوی	بانکا		فتاویٰ شارح بخاری، مجلس شرعی کے فیصلے
	دوم	التمش صدیقی	چندولی		تفسیر مظہر القرآن، فیوض غوث یزدانی
اولیٰ	اول	محمد علی رضا	اتر دیناج پور		احیاء العلوم، مجلسِ شرعی کے فیصلے
	دوم	محمد عمران	بارہ بنکی		فتاویٰ شارح بخاری، مجلس شرعی کے فیصلے
ثانیہ	اول	محمد افضال	جموں وکشمیر		صحیح ابنِ خزیمہ، تاریخ صوفیہ وسلاطین دکن
	دوم	غلام مصطفیٰ	اورنگ آباد		صحیح ابنِ خزیمہ، فتاویٰ حامدیہ
ثالثہ	اول	محمد حسان	سنت کبیر نگر		احیاء العلوم، غنیۃ الطالبین
	دوم	محمد کونین	امبیڈکر نگر		احیاء العلوم، شرح نزہۃ النظر

رابعہ	اول	محمد ابوذر غفاری	پرولیا	اول	احیاء العلوم، فیوض غوث یزدانی
	دوم	احتشام احمد	امبیڈکر نگر	دوم	احیاء العلوم، تفسیر الم نشرح
خامسہ	اول	آصف رضا	فتح پور		نزہۃ القاری
	دوم	محمد نواز اشرف	کٹیہار		احیاء العلوم، فیوض غوثِ یزدانی
سادسہ	اول	غلام احمد رضا	کشن گنج	سوم	نزہۃ القاری، اکمل التاریخ
	دوم	خوش محمد	دیوریا		نزہۃ القاری
سابعہ	اول	عبد المنان	شراوستی		نزہۃ القاری، غنیۃ الطالبین
	دوم	محمد حسین	کان پور		نزہۃ القاری، اکمل التاریخ
فضیلت	اول	محمد اسلم آزاد	گڈا		فتاویٰ مفتی اعظم، مصدق الفضل
	دوم	محمد زبیر	مراد آباد		الفقہ علی المذاہب الاربعہ، الابریز
حفظ	اول	تہذیب انور	مبارک پور		سیرتِ محمدیہ، فتاویٰ فقیہ ملت
	دوم	ابوحذیفہ	مبارک پور		سیرتِ محمدیہ، فیوض غوثِ یزدانی

اس کے علاوہ، سوم، چہارم و پنجم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو بھی انعامات دیے گئے۔ از: رحمت اللہ مصباحی

(ص:۵۶/ کا بقیہ)... لیکن اس مردم شماری میں پایا گیا تھا کہ تعدد یا کثرت ازدواج مسلمانوں میں سب سے کم یعنی ۵ اعشاریہ ۷ فیصد ہے، اس کے مقابلے میں ہندوؤں میں تعدد یا کثرتِ ازدواج مسلمانوں سے زیادہ ۵ اعشاریہ ۸ فیصد ہے۔ اعداد و شمار سے یہ بھی پتہ چلا کہ جین اور بودھوں میں تعدد یا کثرت ازدواج کی شرح زیادہ ہے، لیکن سب سے زیادہ تعدد یا کثرتِ ازدواج قبائلیوں میں ہے اور یہ شرح ۱۵ اعشاریہ ۹ فیصد جب کہ جین میں ۶ اعشاریہ ۷ فیصد ہے۔ اس سلسلہ میں حقوق نسواں کی علم بردار اور اسکالر رتو مینن کے مطابق مسلمانوں میں تعدد یا کثرتِ ازدواج کی شرح زیادہ نہیں ہے، مینن کے مطابق یہ شرح ہندوؤں میں دیگر کمیونٹی کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے، جب کہ دو شادیاں تمام مذاہب کے لوگوں میں یکساں ہیں۔ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے بعد کیے گئے سروے میں بھی ان اعداد و شمار کی تصدیق ہوتی ہے۔ ۱۹۷۴ء میں حکومت کے ذریعہ کرائے گئے سروے میں مسلمانوں میں کثرت ازدواج کی شرح ۵/ اعشاریہ ۸ فیصد تھی۔ ۱۹۹۳ء میں گوکھلے انسٹی ٹیوٹ آف پولیٹکس اینڈ اکنامکس پونے کی ریسرچ میں بھی یہ بات سامنے آئی تھی کہ اس طرح کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ مسلمانوں میں ہندوؤں کے مقابلے کثرتِ ازدواج کی شرح زیادہ ہے۔ ۲۰۰۶ء میں قومی خاندانی صحت کے تیسرے سروے میں بھی اس حقیقت کا انکشاف ہوا، جس میں ۲ فیصد خواتین نے کہا کہ ان کے شوہروں نے ایک سے زائد شادیاں کر رکھی ہیں۔ دوسری شادی کے معاملے میں مذہب کے بجائے اہم وجوہات میں پہلی بیوی سے اولاد نہ ہونا، بیٹا نہ ہونا یا پہلی بیوی کی عمر اور تعلیم وغیرہ شامل تھیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ہندوؤں میں کثرتِ ازدواج کے حوالے سے بیویاں رکھنے کی شرح ۱/ اعشاریہ ۷۷/ فیصد، مسلمانوں میں ۲/ اعشاریہ ۵۵/ فیصد، عیسائیوں میں ۲/ اعشاریہ ۳۵/ فیصد اور بودھوں میں ۳/ اعشاریہ ۴۱/ فیصد تھی۔ کثرتِ ازدواج کا سب سے زیادہ رواج شمال مشرق، جنوب اور مشرقی ہندوستان میں ہے، جب کہ شمال اور وسطی ہندوستان میں یہ تقریباً ناپید ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ تمام اعداد و شمار ۱۹۵۰ء کے بعد کے ہیں، جب کہ ہندو کوڈ بل کو قانون کی شکل دینے کے بعد ہندوؤں کے لیے کثرتِ ازدواج کو غیر قانونی بنا دیا گیا تھا۔ ہندو میرج ایکٹ کے تحت نابالغ کی شادی ممنوع ہے، لیکن اس کے باوجود یہ جاری ہے۔ (روزنامہ انقلاب: ۲۲/ اگست ۲۰۱۷ء)

خیر و خبر

جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور کا اکیانواں سالانہ جلسہ دستار فضیلت و عرس حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ

۴/ مئی ۲۰۱۷ء بروز جمعرات، بی بی باندی صاحبہ عید گاہ کے وسیع میدان میں جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور کا اکیانواں سالانہ جلسۂ دستارِ فضیلت و عرس حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ انعقاد پذیر ہوا، جس کی سرپرستی شہزادۂ حضور حافظِ ملت، پیرِ طریقت، عزیزِ ملت حضرت علامہ الحاج الشاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ مد ظلہ العالی سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے فرمائی، مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے محبوب العلما والمشائخ، پیرِ طریقت حضرت محبوب میناشاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ بانی دار العلوم مینائیہ گونڈہ کی شرکت نے محفل کو پر نور بنا دیا۔ جلسہ کی صدارت جامع معقولات و منقولات قاضیِ شہر حضرت علامہ مولانا مفتی محمد مسیح احمد قادری مصباحی پرنسپل وشیخ الحدیث جامعہ عربیہ انوار القرآن نے کی۔ تلاوتِ کلامِ ربانی کا شرف حضرت حافظ و قاری اقرار احمد برکاتی نے حاصل کرتے ہوئے لوگوں کو اپنی سحر طراز آواز سے محظوظ کیا۔ طلبۂ جامعہ نے بارگاہِ رسالت میں نعتوں کے گل دستے پیش کیے، متعلّم جامعہ لئیق احمد نے ابتدائی خطاب کیا، اسی پر بہار ماحول میں نقیبِ اہلِ سنت حضرت مولانا محمد مستقیم صاحب دار العلوم غریب نواز برگدوا نے شاعرِ اہلِ سنت جناب شکیل رہبر جھارکھنڈ کو پیش کیا۔ موصوف نے اپنی مترنم آواز کا جادو جگایا اور ایسی نعت خوانی کی کہ مجمع کے دلوں کو موہ لیا۔ پھر نعیمِ ملت شہزادۂ حضور عزیزِ ملت حضرت علامہ مولانا نعیم الدین مصباحی کا زور دار نعرۂ تکبیر و رسالت سے استقبال کیا گیا، موصوف نے سنتِ نبوی کی پیروی اور اطاعتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سحر انگیز خطاب کیا۔ ۱۱/ بج کر ۵۵/ منٹ پر قل شریف کا آغاز اور حفاظ و قراء عظام نے قرآن کریم کی تلاوت کی۔ حضور عزیزِ ملت نے ملک و ملت کی خوش حالی، خیر سگالی، امن و امان، جامعہ کے عروج و ارتقا اور اہلِ سنت و جماعت کے فروغ و استحکام کے لیے رقت آمیز دعائیں کیں ۔ دوبارہ عندلیبِ چمنستانِ رسالت شکیل رہبر کو آواز دی گئی انھوں نے نعت شریف کے بعد بارگاہِ حضور حافظِ ملت میں منقبت کے اشعار گنگنائے۔ اطراف و جوانب اور دور دراز سے آئے ہوئے علما و مشائخ اور مہمانوں کی گل پوشی اور شال و رومال پیش کر کے جامعہ کے صدر حاجی عبد الباری عزیزی، ناظمِ اعلیٰ الحاج ڈاکٹر اقبال احمد عزیزی، مولانا عبد القیوم مصباحی، مولانا امان حسن سیوانی، مولانا مزمل اختر، قاری نوازش علی، قاری فریاد حسین اور دیگر اساتذہ و ارکانِ جامعہ نے خیر مقدم کیا، بعدہٗ سراج الفقہا، زیبِ مسندِ افتا، محققِ عصر حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی پرنسپل الجامعۃ الاشرفیہ کرسیِ خطابت پر رونق افروز ہوئے۔ مجمع کے درمیان سے مولانا شبیر احمد مصباحی اور مولانا نور احمد قادری استاذ جامعہ ہذا نے سوالات حاصل کر کے یکے بعد دیگرے حضرت موصوف کی بارگاہ میں پیش کیے، انھوں نے دلائل و براہین کی روشنی میں جوابات عنایت فرمائے۔ نیز تین طلاق کے عنوان پر خصوصی خطاب فرمایا اور حکومت کی پالیسیوں سے خبر دار کرتے ہوئے شرعی عدالتوں تک محدود رہنے اور شرعی زندگی گزارنے پر زور دیا۔ عوام و خواص نے پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے خوب آفرین کہا اور آپ کے فرمودات کو سراہا۔ پھر نعت خوانی ہوئی اور شہنشاہِ خطابت، ادیبِ شہیر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے اپنی ولولہ خیز، فکر انگیز، شعلہ بار تقریر سے لوگوں کے اذہان و قلوب کو روشن و تاب ناک کر دیا۔ اس کے بعد حافظِ احادیثِ کثیرہ خطیبِ لاثانی حضرت مولانا محمد حسین ابو الحقانی مدھوبنی بہار نے اپنے مدلل و مبرہن خطاب سے مجمع میں روح پھونک دی، پھر علما و مشائخ کے مقدس ہاتھوں جامعہ کے ۱۲۳/ فارغین (فاضل ۹، عالم ۱۲، حافظ ۵۲، قاری ۵۰) کے سروں پر نیابتِ رسول کا تاج رکھ کر انھیں اسناد سے سرفراز کیا گیا۔ صلاۃ و سلام، دعا اور تقسیمِ شیرینی پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ **ایسے روح پرور ماحول میں حضور عزیزِ ملت نے مفتیِ شہر حضرت علامہ مولانا مفتی محمد مسیح احمد صاحب قادری مصباحی کو اجازت و خلافت سے بھی نوازا، جس پر اساتذۂ جامعہ اور عوامِ اہلِ سنت نے مسرت و فرحت کا اظہار کرتے ہوئے مبارک بادیاں پیش کیں۔**

محمد شمیم احمد قادری، ضلعی میڈیا سکریٹری تنظیم ابنائے اشرفیہ
خادم جامعہ عربیہ انوار القرآن، بلرام پور

دار العلوم قادریہ چریاکوٹ میں مولانا اعجاز مبارکپوری اور نازاں فیضی گیاوی علیہما الرحمہ کی یاد میں محفلِ فاتحہ

ڈاکٹر حامد اقبال کی والدہ کے لیے بھی ایصالِ ثواب کیا گیا

مورخہ ۱۷/ اگست ۲۰۱۷ء بروز پنجشنبہ صبح ۱۱/ بجے دار العلوم

قادریہ چریاکوٹ میں ایک محفلِ ایصالِ ثواب کا انعقاد کیا گیا، جس میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے استاذ عالم گرامی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب مبارک پوری علیہ الرحمۃ کے لیے قرآن خوانی اور ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا گیا، طلبہ و اساتذہ کی موجودگی میں راقم الحروف (محمد عبد المبین نعمانی) نے حضرت مرحوم کی زندگی پر روشنی ڈالی اور کہا کہ حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب علیہ الرحمۃ صرف ایک اچھے مدرس ہی نہ تھے، بلکہ نہایت محتاط عالمِ دین بھی تھے، حساب کتاب کے بھی ماہر تھے اور بہترین منتظم تھے، جو کام ان کے سپرد کیا جاتا اور اسے وہ قبول کرتے تو نہایت ذمے داری کے ساتھ انجام دیتے اور حتی الامکان کوئی کمی باقی نہیں رکھتے، عالم اور مدرس تو بہت لوگ ہیں لیکن حضرت مولانا اعجاز احمد علیہ الرحمۃ کی طرح ذمہ دار اور اصول پسند منتظم ملنا بہت مشکل ہے۔ جامعہ میں آتے ہی اپنے کام میں لگ جاتے، اِدھر اُدھر اٹھنا بیٹھنا، مجلسی گفتگو میں دل چسپی لینا اور وقت ضائع کرنا تو وہ جانتے ہی نہ تھے، گھریلو معاملات میں بھی نظم و ضبط کے پابند تھے اور افرادِ خانہ کے ساتھ بھی حسنِ سلوک اور انصاف و دیانت کا خوب خیال رکھتے۔ آپ کی زندگی علما کے لیے بہترین نمونہ ہے، چلنے میں حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ کے نقشِ قدم پر تھے، نظریں جھکا کر چلتے، اِدھر اُدھر تاکنے جھانکنے کے عادی نہ تھے، سامنے دیکھتے یا نیچے دیکھتے، کوئی اصول کے خلاف چلتا اور آپ کی گرفت میں آجاتا تو آپ اس کو بخشتے نہیں، جو مناسب کارروائی ہوتی اس پر عمل کرتے۔ تدریس کے علاوہ بہت سارا وقت تعلیمی نظم و ضبط کی انجام دہی میں خصوصاً امتحانات سے متعلق امور میں صَرف کرتے اور پوری ذمے داری کا ثبوت دیتے۔ صدر المدرسین یا نائب تو نہ تھے، لیکن نیابت کا بہت سا کام بحسن و خوبی انجام دیتے، گویا ذمہ داروں کے لیے ایک بہترین مشیر کی حیثیت تھی آپ کی۔ ان کی اصول پسندی اور سختی سے دیگر اساتذہ خائف رہتے۔ ہم نے ان کی پاکیزہ زندگی سے بہت کچھ سبق حاصل کیا ہے۔

موصوف کا انتقال ۲؍ ذی قعدہ ۱۴۳۸ھ/ ۲۷؍ جولائی ۲۰۱۷ء کی شام ۶؍ بج کر ۳۵؍ منٹ پر ہوا۔

(۲) اسی محفل میں شعر و ادب کا اچھا ذوق رکھنے والی شخصیت جناب زین العابدین نازاں فیضی گیاوی مرحوم کو بھی ایصالِ ثواب کیا گیا۔ مرحوم میرے دیرینہ رفیق و شناسا تھے۔ میری ان کی پہلی ملاقات ۱۹۷۳ء میں اس وقت ہوئی جب آپ کلکتہ کسی کمپنی میں ملازمت کر رہے تھے اور دار العلوم ضیاء الاسلام ٹکیہ پاڑہ، ہوڑہ (مغربی بنگال) میں اپنے ننھے فرزند مولانا فروغ احمد قادری (فروغ القادری) سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن (انگلینڈ) کو لے کر داخلے کے لیے آئے تھے۔ میں اس وقت وہاں تدریسی خدمات انجام دے رہا تھا، اس کے بعد گاہے بگاہے ملاقاتیں ہوتی رہیں، مراسلت بھی رہی اور اب کہ فون کا زمانہ ہے، اس پر بھی رابطہ رہا۔ مرحوم کے انتقال ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے، جس کا احساس صرف خانقاہ بیت الانوار گیا ہی کے افراد و اقربا کو نہیں بلکہ شعر و ادب کی دنیا بھی سوگوار ہے، صحافتی حلقہ بھی ان کے خلا کو محسوس کر رہا ہے، مولا عز و جل مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، پس ماندگان کو ان کے لیے ایصالِ ثواب کی توفیق مرحمت فرمائے، عزیزی مولانا فروغ القادری حفظہ ربہ کو ان کے لیے توشۂ آخرت بنائے، زیادہ سے زیادہ دینِ پاک کی خدمت کی توفیق بخشے، آمین۔

مرحوم کا انتقال ۹؍ مئی ۲۰۱۷ء بروز سہ شنبہ (منگل) ۱۲؍ بجے شب پٹنہ کے ایک نرسنگ ہوم میں ہوا اور تدفین گیا میں انجام پائی، ان کے عمِ گرامی شاہ فیض الہدیٰ قادری علیہ الرحمہ کے جوار میں۔

(۳) میرے ایک مخلص اور کرم فرما ہیں ڈاکٹر حامد اقبال چشتی مالیگاؤں، جو بچوں کے نہایت ماہر اور مقبول ڈاکٹر ہیں، اسی ہفتے میں ان کی والدہ محترمہ کا بھی انتقال ہو گیا ہے، ان کے لیے بھی ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف محبِ گرامی مولانا سید محمد فاروق چشتی مصباحی بارہ بنکوی کے مرید خاص ہیں اور دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

از: محمد عبد المبین نعمانی قادری
خادم دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ، مئو

سنگھ پریوار کا پروپیگنڈہ بے نقاب
مسلم مردوں کے برعکس ہندوؤں میں کثرتِ ازدواج کی شرح زیادہ

ہندوستان میں مسلم مردوں پر دو شادی یا کثرتِ ازدواج میں ملوث ہونے کا سنگھ پریوار پروپیگنڈہ کرتا ہے، تاہم اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ حقائق اس کے بر خلاف ہیں۔ ایک نیوز سائٹ پر شائع ہوئی رپورٹ کے مطابق مسلمانوں میں تعدد یا کثرت ازدواج کی شرح دیگر کمیونٹی یا مذاہب کے لوگوں کے مقابلے میں سب سے کم ہے۔ اس سلسلہ میں گرچہ ٹھیک طور پر اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں، کیوں کہ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری میں مذہب کے اعتبار سے شادیوں کے جائزہ کے بعد دوبارہ اس طرح کا جائزہ نہیں لیا گیا۔... (باقی، ص: ۵۴؍ پر)